اہلِ قلم کی علمی کاوشوں کا مبلغ
آن لائن مجلہ
شمارہ فروری ۲۰۲۱ء

نفحاتِ حرم

مدیرِ اعلی
مولانا ابو محمد عارفین القادری

جاری کردہ
نفحاتِ حرم ای بک پبلشرز

شرفِ انتساب

امامِ اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت

امام الارض ابراہیم بن ادہم

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان

رحمة الله تعالى عليهم أجمعين

مدیرِ اعلیٰ

مولانا ابو محمد عارفین القادری

سن وماہ اِجرائے اشاعت

ستمبر ۲۰۲۰ء مطابق محرالحرام ۱۴۴۲ھ

تحریر بھیجنے اور پی ڈی ایف شمارہ اور یونیکوڈ تحریر حاصل کرنے کے ذرائع

ای میل: arfeenjaipuri@gmail.com

واٹس اپ + ٹیلی گرام: +923333403632

فیس بوک: https://www.facebook.com/Nafhateharam

(اسلامی بہنیں ای میل اور فیس بک لنک پر میسج کرکے ایڈمن اسلامی بہن کا نمبر لے سکتی ہیں، جہاں پر تحریر بھیجی اور لی جاسکتی ہے)

جاری کردہ: نفحاتِ حرم ای بک پبلشرز

تحریر ارسال کرنے کی شرائط

شرائط	نمبر
مُحرر سنی صحیح العقیدہ ہو۔[1]	1
تحریر امیج کی صورت میں نہ ہو بلکہ ٹیکسٹ کی صورت میں ہو۔	2
موضوع کی کوئی قید نہیں ہے۔ دینی دنیاوی کسی بھی موضوع پر تحریر بھیجی جاسکتی ہے۔	3
زبان کی کوئی قید نہیں ہے۔ عربی، اردو، فارسی، انگریزی کسی بھی زبان میں تحریر بھیجی جاسکتی ہے۔	4
تحریر کا معیاری ہونا ضروری ہے اور اس کی شمولیت کا فیصلہ نفحاتِ حرم بورڈ کرے گا۔ (معیاری سے مراد مواد اچھا اور بامقصد ہو، محض الفاظ کا ہیر پھیر، مترادف جملوں، پیرایوں اور دلیلوں کی تکرار نہ ہو)	5
حوالے جات ضروری ہے، کوئی اقتباس بغیر حوالے کے قبول نہیں ہو گا، ممکن ہو تو حوالے کی مکمل تخریج کی جائے۔ مثلاً شرح صحیح مسلم للنووی، جلد ۱۰، صفحہ ۳۲۱، کتاب السیر، دارالفکر، بیروت۔	6

الحمد للہ! نفحاتِ حرم نے اسلامی بہنوں کے لئے بھی یہ موقع فراہم کیا ہے کہ وہ اپنی تحاریر بھیج سکتی ہیں بلکہ ہم انہیں ترغیب دلائیں گے کہ وہ اپنی صلاحیتوں سے عمدہ تحاریر لکھنے کی کوشش کریں اور امتِ مسلمہ کی فکری اصلاح کو مستحکم بنائے رکھنے میں اپنا کردار ادا کریں۔

---

[1] محررین کیلئے اعلی حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ کی بیان کردہ عقائد و نظریات کی تشریحات سے متفق ہونا ضروری ہے۔

فہرست مشمولات

(نوٹ: ادارے کا مضمون نگار کی آرا و تحقیق سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے)

صدائے نفحاتِ حرم

امت پر علمائے ذوالاحترام کے بے شمار حقوق ہیں، علمائے کرام ہی ہیں جو ہر دور میں دینِ اسلام کی بقا کے لئے اپنا تن من دھن سب قربان کرکے شمعِ حق روشن کئے رکھتے ہیں اور انہی کی کاوشوں سے اسلام اس بزمِ جہاں میں زندہ ہے، یقیناً نبی کریم ﷺ کی امت کے علمانے اپنا فرضِ منصبی بہت عمدہ طریقے سے نبھایا ہے، آخرت میں تو اُن کے لئے بے حساب اجر ہے ہی مگر مالکِ کائنات نے دنیا ہی میں ان کی تعظیم و توقیر کو لازم کردیا ہے اور ان کے حقوق کی ادائیگی ضروری قرار دی گئی ہے۔

اسلاف کے زمانے میں دستور یہ تھا کہ علمائے کرام کو بیت المال سے باقاعدہ وظائف دیئے جاتے تھے اور انہیں علومِ دینیہ کی طرف راغب رکھا جاتا تھا تاکہ وہ فکرِ معاش سے آزاد ہو کر قومِ مسلم کی رہنمائی میں اپنا کردار ادا کریں اور اپنی ساری توانائیاں امتِ مسلمہ کو پیش آنے والے نت نئے مسائل کے حل اور فتنوں کے تدارک میں صرف کریں۔ مگر مُرورِ زمانہ کے باعث علما کی قدر کرنے والے کم ہوتے گئے اور ان کے لئے وظائف کا سلسلہ بند ہو گیا، اسی سبب سے ائمہ متاخرین نے تعلیم و تدریس کے لئے اجرت لینے کی اجازت دی جبکہ فقہ حنفی میں طاعت پر اجرت حرام تھی۔ لیکن یہ اجازت تو علمائے کرام کے لئے تھی تاکہ وہ اپنا گزر بسر کر سکیں اس سے امت حقوق کی ادائیگی سے سبکدوش نہیں ہو جائے گی۔ ملک میں مساجد و مدارس کے لئے حکومت کتنی سنجیدہ ہے بیان کرنے کی حاجت نہیں، ایسے میں اغنیا کی ذمہ داری بنتی ہے کہ مساجد، مدارس، علما، معلمین، مدرسین کے لئے مالی خدمات فراہم کریں۔ الفقیہ الامام عبد الواحد بن محمد سندھی حنفی م 1224ھ ارقام کرتے ہیں: ”اگر کسی شہر میں عالم دین و معلم دینی کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر نہ ہو تو اس شہر کے اغنیا پر واجب ہے کہ اُن کھانے اور پہناوے کا انتظام کریں۔ اسی سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ اگر اغنیا سے انہیں ان کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور کسب معاش چھوڑ کر تبلیغ دین میں مشغول رہتے ہیں تو گنہگار نہیں ہوں گے۔ میں کہتا ہوں: مذکورہ جزئیہ سے ثابت ہوا کہ علما و معلمین کو اغنیا سے ان کا حق مل جائے تو وہ "حق وصول کرنے والے" قرار پائیں گے "دین کھانے والے" نہیں۔“ (حسن الفہم والتعقل، ص ۱۲۶، دار الضیاء، کویت)

نفحاتِ حرم کی صدا ہے کہ اپنے دینی مدارس، مساجد، علمائے کرام اور معلمینِ دینی کے لئے اپنے مال کو وقف کریں، ان شاء اللہ عزوجل یہ خدمت آپ کی دنیا و آخرت کے لئے نفع بخش ثابت ہو گی۔

(ادارہ)

سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ۔۔صدیق بھی، رفیق بھی!

(✍ مولانا غلام مصطفی نعیمی)

عام الفیل (570ء) کو دو سال چھ ماہ گزرے تھے کہ ابو قحافہ عثمان بن عامر کے گھر ایک سعادت مند بچے نے آنکھیں کھولیں۔ نام عبد الکعبہ رکھا گیا۔ جو بعد میں بدل کر عبد اللہ کر دیا گیا تھا۔ پرورش کا زمانہ شروع ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ عرب معاشرے میں دنیا بھر کی ساری برائیاں عام تھیں۔ شراب نوشی و زناکاری ان کا شوق تھی اور بت پرستی ان کی فطرت!

اسی بگڑے ہوئے معاشرے میں بچے نے پروان چڑھنا شروع کیا۔ جب یہ بچہ چار سال کا ہو گیا تو ایک دن ابو قحافہ اسے اپنے ساتھ لیکر بت خانے پہنچے اور ایک بڑے بت کی جانب اشارہ کر کے سجدہ کرنے کا حکم دیا۔ ننھے بچے نے ایک نظر باپ کو دیکھا اور پھر بت سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

"میں بھوکا ہوں مجھے کھانا دے، میں ننگا ہوں مجھے کپڑے دے، میں تجھے پتھر مارتا ہوں اگر تو خدا ہے تو خود کو بچا لے۔"

اتنا کہہ کر پتھر اٹھایا اور بت کو دے مارا۔ بھلا وہ پتھر کی مورت کیا جواب دیتی اور کیا خود کو بچاتی؟ پتھر لگا اور بت اوندھے منہ گر پڑا۔ ابو قحافہ نے غضب ناک ہو کر بیٹے کے چہرے پر تھپڑ مارا، مارے غصے کے گھسیٹتے ہوئے ان کی والدہ ام الخیر سلمی بنت صخر کے پاس لائے اور اس حرکت کی شکایت کی۔ والدہ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا:

"ابو قحافہ! بچے کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ جب یہ پیدا ہوا تھا تو مجھے غیب سے اس کے بارے میں اچھی باتیں بتائی گئی تھیں۔" (سیرت خلیفۃ الرسول: ص37/38)

بت پرستی عربوں کی رگوں میں رچی بسی تھی لیکن فضل ربی نے اس بچے کو شرک کی گندگی سے محفوظ رکھا۔ جانتے ہیں یہ بچہ کون تھا؟

یہ خوش نصیب بچہ کوئی اور نہیں حضور سید عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے یارِ غار سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تھے۔

بچپن گزرا، جوانی آئی۔ عربوں کی خاندانی روایت کے مطابق آپ نے بھی تجارت کرنا شروع کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پورے مکہ میں محمد عربی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی شرافت اور نیک نامی کی دھوم تھی۔ لوگ اس جوان کی ایمان داری اور امانت داری کی قسمیں کھاتے تھے۔ اتفاق یہ ہوا کہ ایک تجارتی سفر پر صدیق اکبر کو محمد عربی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رفاقت نصیب ہوئی۔ سفر ملک شام کا تھا۔ راستے میں ایک مقام پر بیری کا درخت تھا۔ حضور اس کی چھاؤں میں بیٹھ گئے۔ وہیں پاس میں ایک عیسائی راہب رہتا تھا۔ اس نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیکھا تو صدیق اکبر سے پوچھا، یہ شخص کون ہے؟ آپ نے جواب دیا: عبد اللہ بن عبد المطلب کے شہزادے محمد ہیں۔ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

راہب نے کہا خدا کی قسم! یہ نبی ہیں۔ اس درخت کے نیچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد سے آج تک کوئی نہیں بیٹھا۔ راہب کی یہ بات آپ کے دل پر نقش ہوگئی اور آپ نے حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی صحبت ورفاقت کو خود پر لازم کر لیا۔ (تاریخ مشائخ نقش بندیہ: ج1: ص121/122)

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اعلانِ نبوت سے پورے مکہ میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ کل تک جس کی سچائی کی قسمیں کھائی جاتی تھیں آج اسے جھٹلایا جارہا تھا۔ جس کی عقل وذہانت کی مثالیں دی جاتی تھیں آج اسی کو مجنون قرار دیا جارہا تھا۔ جس وقت یہ معاملہ پیش آیا صدیق اکبر مکہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ جب آپ واپس لوٹے تو حضور کے اعلان نبوت کے بارے میں خبر ملی۔ خبر ملتے ہی آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ملاقات کی۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسلام پیش فرمایا۔ آپ نے بغیر سوچ وبچار کے فوراً ہی اسلام قبول کر لیا۔

محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ مجھ سے محمد بن عبد الرحمٰن نے بروایت عبد اللہ بن الحصین التمیمی بیان کیا:

أن رسول الله ﷺ قال: ما دعوت أحدا إلى الإسلام إلا كانت عنده كبوة و تردد و نظر، إلا أبا بكر ما عتم عنه حين دعوته، و لا تردد فيه.

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں نے کسی کو بھی اسلام کی دعوت دی تو اس کو تذبذب میں پایا اور اس کو تردد ہوا سوائے ابو بکر کے۔ جب میں نے ان کے سامنے اسلام پیش کیا تو انہوں نے بغیر تذبذب اور تردد کے اسلام قبول کر لیا۔" (تاریخ الخلفا للسیوطی: ص32)

اللہ اکبر! جس کے ایمان کی فضلیت خود "جان ایمان ﷺ" بیان کریں اس کے مقام و مرتبے کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟

قبلِ اسلام بھی صدیقِ اکبر عرب میں رائج برائیوں سے پاک وصاف تھے، قبولِ اسلام کے بعد آپ کا کمال اور بڑھ گیا۔ آپ نے خود کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے لیے وقف کر دیا۔ اور بڑے پیمانے پر دعوت و تبلیغ کا کام شروع کر دیا۔ سب سے پہلے آپ نے اپنے اہل خانہ کو دین کی دعوت پیش کی۔ آپ کی شہزادی حضرت اسمار ضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ہمارے بابا جس دن ایمان لائے اسی دن سب گھر والوں کو اسلام کی دعوت پیش کی۔ آپ اس وقت تک مجلس سے نہیں اٹھے جب تک ہم سب نے اسلام قبول نہیں کر لیا۔"

اہل خانہ کے بعد صدیق اکبر نے اپنے دوست واحباب کے درمیان تبلیغ دین کا آغاز فرمایا۔ آپ کی مخلصانہ تبلیغ اور شخصیت سے متاثر ہو کر کئی مشاہیر افراد نے اسلام قبول فرمایا، اہم افراد میں حضرت عثمان غنی، حضرت زبیر بن عوام، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعد بن وقاص، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف جیسی شخصیات شامل ہیں۔ یہ پانچوں افراد "عشرہ مبشرہ" کی خوش نصیب جماعت کا حصہ ہیں۔ عشرہ مبشرہ ان دس افراد کی جماعت کا

نام ہے جنہیں حضور ﷺ نے دنیا میں ہی جنت کی بشارت عطا فرمائی۔ ان دس خوش نصیبوں میں پانچ افراد نے حضرت ابو بکر صدیق کی دعوت پر اسلام قبول فرمایا۔

اعلانِ نبوت کا دسواں سال تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب ﷺ کو ایک ایسے سفر پر بلایا جو آپ سے پہلے اور آپ کے بعد کسی کے نصیب میں نہیں آیا۔ اس سفر کا ذکر قرآن میں اس طرح بیان ہوا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (سورہ بنی اسرائیل:۱)

"پاکی ہے اسے جو اپنے بندے کو، راتوں رات لے گیا۔ مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی۔ کہ ہم اسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں، بیشک وہ سنتا دیکھتا ہے۔"

مسجدِ حرام (مکہ) سے مسجد اقصی (فلسطین) تک کا سفر "اسرا" کہلاتا ہے۔ اس زمانے میں مکہ سے فلسطین کا فاصلہ تقریباً ایک مہینے سے زیادہ وقت میں طے ہوا کرتا تھا۔ صدرالافاضل فرماتے ہیں:

"جس کا فاصلہ چالیس منزل یعنی سوا مہینہ سے زیادہ کی راہ ہے۔"

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ سفر صرف رات کے ایک حصے میں ہی کرادیا۔ سفر کا اگلا مرحلہ مسجد اقصی سے آسمانوں کے سفر کا تھا۔ جسے معراج کہا جاتا ہے۔ سفر کا یہ مرحلہ ایک رات کے کچھ ہی حصے میں مکمل ہوا۔ صبح مصطفیٰ جانِ رحمت نے اہل مکہ سے اس سفر کا تذکرہ فرمایا تو اہل مکہ نے آپ کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ جو سفر ایک مہینے میں طے ہوتا ہے وہ آپ نے رات کے مختصر وقت میں کیسے کرلیا؟

مکہ کا ہر انسان آپ ﷺ کو جھٹلا رہا تھا۔ کیوں کہ عقلاً یہ سفر ناممکن تھا۔ تیز رفتار گھوڑے اور اونٹ بھی ایک ماہ سے کم وقت میں مکہ سے فلسطین نہیں پہنچا سکتے تھے۔ اس لیے کفار مکہ مسلسل آپ کے خلاف باتیں بنارہے تھے۔ مگر قربان جاؤں ابو بکر کی محبت پر کہ جب آپ نے یہ سنا تو فوراً حضور کی تصدیق فرمائی۔ اسی واقعے کے بعد

آپ کو بارگاہ رسالت سے صدیق اکبر کا خطاب حاصل ہوا۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

لما أسري بالنبي صلى الله عليه وسلم إلى المسجد الأقصى؛ أصبح يتحدث الناس بذلك؛ فارتدَّ ناس ممن كان آمنوا به وصدقوه، وسعى رجال من المشركين إلى أبي بكر رضي الله عنه، فقالوا: هل لك إلى صاحبك يزعم أنه أُسري به الليلة إلى بيت المقدس؟ قال: أو قال ذلك؟ قالوا: نعم قال: لئن قال ذلك لقد صدق، قالوا: أو تصدقه أنَّه ذهب الليلة إلى بيت المقدس، وجاء قبل أن يصبح؟ فقال: نعم، إني لأصدقه ما هو أبعد من ذلك، أصدقه في خبر السماء في غدوة أو روحة. فلذلك سُمِّي أبا بكر الصديق رضي الله عنه.

"حضرت عائشہ فرماتی ہیں، جس رات حضور کو معراج ہوئی تو صبح ہی مشرکین مکہ نے میرے والد کے پاس آکر کہا: آپ کو کچھ خبر ہے کہ آپ کے دوست یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ رات میں بیت المقدس پہنچا دئے گئے۔ حضرت ابو بکر نے پوچھا کیا واقعی وہ ایسا کہتے ہیں؟ مشرکین نے کہا ہاں وہ یہی کہتے ہیں۔ تو حضرت ابو بکر نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں۔ اگر حضور صبح یا شام کو اس سے زیادہ آسمانوں کی سیر کی بھی خبر دیتے ہیں تو میں فوراً ہی اس کی تصدیق کرتا۔ اسی تصدیق کی بنا پر آپ صدیق اکبر کے لقب سے مشہور ہوئے۔ (تاریخ الخلفا للسیوطی: ص28)

حضور سید عالم ﷺ فرماتے ہیں:

إنَّ الله بعثني إليكم، فقلتم: كذبت. في أول الأمر، وقال أبو بكر: صدقت. وواساني بنفسه وماله.

”اللہ تعالیٰ مجھے تمہاری جانب پیغمبر بنا کر بھیجا لیکن سب نے شروع میں مجھے جھٹلایا مگر ابو بکر نے میری تصدیق کی اور اپنے جان ومال کو میرے اوپر نچھاور کیا۔“

عن ابي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ليلة اسري به :"ان قومي لا يصدقوني فقال له جبريل: يصدقك أبو بكر وهو الصديق"

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب معراج میں نے جبریل سے کہا کہ میری قوم اس معراج کی تصدیق نہیں کرے گی۔ حضرت جبریل نے عرض کیا: حضرت ابو بکر آپ کی تصدیق کریں گے وہ صدیق ہیں۔ (مجمع الزوائد:19/41)

امام حاکم نے نزال بن سبرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے امیر المومنین آپ ہمیں حضرت ابو بکر کے بارے میں بتائیے۔ حضرت علی نے فرمایا:

ذاك امرؤ سماه الله الصديق على لسان جبريل وعلى لسان محمد ، كان خليفة رسول الله صلى الله عليه وسلم رضيه لديننا فرضيناه لدنيانا.

”حضرت ابو بکر کی ہستی وہ ہستی ہے جس کا نام اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل امین اور حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کی زبان مبارک سے صدیق رکھا۔ اور وہ نماز میں رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ تھے۔ پس جس شخص سے رسول اللہ ﷺ ہمارے دینی معاملات میں راضی ہوئے ہم اس سے اپنی دنیا کے معاملات کے لیے راضی ہوگئے۔ (انہیں اپنا خلیفہ منتخب کر لیا)“ (تاریخ الخلفا للسیوطی: ص28)

جسے فرشتوں کا سردار صدیق کہے، جسے انبیا کے سردار صدیق کہہ کر پکاریں تو امت انہیں صدیق کیوں نہ کہے:

اصدق الصادقیں، سید المتقیں — چشم و گوش وزارت پہ لاکھوں سلام

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں:

صحب ابوبکر النبي عليه الصلاة والسلام من حين اسلم الي حين توفي لم يفارقه سفرا ولا حضرا ،الا فيما أذن له عليه الصلاة والسلام في الخروج فيه من حج وغزو ،وشهد معه المشاهد كلها.

"تمام علما کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق قبول اسلام کے بعد سے حضور اقدس ﷺ کے وصال تک سفر و حضر میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے۔ سوائے اس کہ رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے آپ نے حج یا کسی غزوے میں شرکت کی ہو۔ ورنہ آپ ہر حال میں ہر وقت آپ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔"

(التاریخ الخلفا للسیوطي:32)

یہ ساتھ اتفاقی نہ تھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خود اپنے محبوب ﷺ کا ساتھی (صاحب) بنایا تھا:

اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا۔ (سورہ توبہ:40)

"جب وہ دونوں غار میں تھے تو اپنے یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔"

جسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنے محبوب کا صاحب (رفیق) بنایا ہو بھلا وہ کیوں کر حضور ﷺ سے دور رہ سکتا تھا؟ جب آپ رات کو گھر تشریف لے جاتے تو حضور سے ملنے کی خاطر پوری رات بے چینی سے گزارتے۔ جیسے ہی صبح صادق کا وقت آتا فوراً حاضر خدمت ہو جاتے۔ حضور علیہ السلام سے اس قدر محبت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی دن اپنے پاس بلایا جس دن حضور ﷺ نے وصال فرمایا تھا۔

عن عائشة رضي اللهّٰ عنها قالت: إن أبابكر لما حضرته الوفاة قال: أي يوم هذا؟ قالوا: يوم الاثنين، قال: فإن مت من ليلتي فلا تنتظروا بي لغد، فإن أحب الأيام والليالي إليّ أقربها من رسول اللهّٰ صلى اللهّٰ عليه وسلم.رواه احمد

”ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جس روز حضرت ابو بکر کی وفات ہوئی آپ نے پوچھا کہ آج کون سادن ہے؟ عرض کیا گیا دوشنبہ ہے۔ فرمایا کہ آج رات میں انتقال کر جاؤں مجھے دفن کرنے میں کل تک تاخیر نہ کی جائے میں رسول اللہ ﷺ تک جتنا جلد پہنچ جاؤں اتناہی اچھاہے۔“ (تاریخ الخلفا للسیوطي:68)

جیسا محبوب نے چاہاویساہی ہوا۔ پیر کی رات میں بعمر 63 سال آپ کا وصال ہوااور رات میں ہی آپ کو آپ کے محبوب ﷺ کے پہلو میں دفن کر دیا گیااس طرح جدائی کا صبر آزمازمانہ ختم ہوااور یار غار یار مزار بن گیا۔

ے یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام

حضرت علامہ قاری مصلح الدین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کی قلمی خدمات

(مولانا محمد انس رضا قادری)

پیرِ طریقت رہبر شریعت ولی نعمت حضرت علامہ قاری محمد مصلح الدین صدیقی رحمۃ اللہ علیہ ان شخصیات میں سے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی ایک خاموش مبلغ کی طرح بسر کی، امامت و خطابت سے عوام الناس کو قرآن و سنت کا پیکر بنانے، درس و تدریس سے تشنگان علم کو سیر اب کرنے اور تعویذات و عملیات سے دکھیاری امت کی مدد کرنے میں آپ کے لیل و نہار گزرے اور ماضی کی حسین یادیں بن گئے، آپ کے تقوی اور پرہیز گاری کا اندازہ لگانے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ جن خوش نصیبوں نے آپ کی رفاقت اختیار کی اور آپ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے، جنہیں راقم السطور کی آنکھوں نے دیکھا ہے، سب ہی آپ کے فیضان سے باشرع، متقی و پرہیز گار ہیں۔ ؎ صحبت صالح ترا صالح کند

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جہاں دیگر خدمات ہیں وہیں آپ نے تحریری خدمات بھی انجام دیں لیکن بہت قلیل دستیاب ہوئیں، نیز آپ کا کثیر وقت درس و تدریس، تعویذات دینے اور مختلف مقامات پر محفلِ نعت منعقد کرنے میں صرف ہوتا، یہی وجہ ہے کہ آپ کا تحریری سرمایہ بہت قلیل ہے۔ آپ نے جامع مسجد واہ کینٹ (راولپنڈی) میں امامت کے دوران کچھ فتاوی بھی تحریر فرمائے تھے لیکن وہ ریکارڈ کا حصہ نہ بن سکے۔ بہر حال جو دستیاب ہے وہ درج ذیل ہے۔

ترجمہ ترمذی شریف

حضرت علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ نے قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "جب قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے آخری ایام میں علالت کے باعث دار العلوم امجدیہ میں فرائض تدریس سے سبکدوشی اختیار کی، تو ہم نے سوچا کہ ترمذی شریف کا اردو میں ترجمہ کیا جائے کیوں کہ دیگر کُتب صحاح کے مقابلہ میں ترمذی شریف فقہ حنفی سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے۔ اس سلسلہ میں قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کی گئی تو آپ نے اس کام کا آغاز کر دیا لیکن افسوس کہ یہ کام تکمیل کو نہ پہنچا۔"

یہ ترجمہ قلمی مخطوطہ ہے، جو ابتدائے کتاب "ابواب الطھارۃ" سے "باب ماجاء فی صلوۃ الاستسقاء" تک تقریبا 497 احادیث پر مشتمل، 220 صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ جس میں آپ نے مکمل سند کا ترجمہ نہیں کیا فقط آخری راوی پر اکتفاء فرمایا ہے۔

مدحتِ مصطفی ﷺ:

یہ کتابچہ علمائے اہل سنت کے مخصوص نعتیہ کلام اور مناقب پر مشتمل ہے، اس کی بار سوم 1988 میں حنفیہ پاک پبلیکیشنز سے شائع ہوئی تھی جو راقم کے پیش نظر ہے، اس پر قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام مترجم کے طور پر تحریر ہے، غالب گمان یہ ہے کہ یہ کتابچہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ترتیب دیا ہوا ہے، مترجم آپ اس حیثیت سے ہیں کہ اس مجموعہ میں دو عربی کلام ہیں، ایک عربی نعت الصبح بدا من طلعته (امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کردہ) اور دوسرا عربی سلام یا شفیع الوریٰ سلام علیك ہے ان دونوں کا اردو ترجمہ آپ نے کیا ہے جو کہ ساتھ ہی موجود ہے۔

مضامین:

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال فرما جانے کے بعد آپ کی ڈائری سے مختلف موضوعات پر تحریر شدہ چار مضامین ملے تھے، جنہیں مختلف جرائد میں اور کتابچوں کی صورت میں شائع کیا جاچکا ہے، آخری بار ان مقالات کی اشاعت 2017 میں ترجمانِ اہل سنت ماہنامہ مصلح الدین کے خصوصی شمارے "عرفان منزل نمبر 1" میں قلمی خدمات کے باب میں ہوئی ہے۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے سالانہ عرس کے موقع پر 1405ھ میں دارالکتب حنفیہ سے علامہ غلام محمد قادری صاحب نے قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احوال و آثار پر مشتمل "عرفان منزل مصلح الدین نمبر" شائع کیا تھا جس کی از سر نو اشاعت ماہنامہ مصلح الدین کے خصوصی نمبر کے طور پر 2017ء میں ہوئی ہے۔

1۔ ذکر اولیاءِ کرام کے فوائد و منافع

یہ مضمون دو حصوں میں پر مشتمل ہے۔

پہلے حصہ میں "اولیاء اللہ کے ذکر سے حاصل ہونے والے فوائد" پر آیت مبارکہ اور بزرگان دین کے اقوال پیش کیے ہیں۔

دوسرے حصہ میں "دنیا کو اولیائے کرام کے ضرورت کیوں ہوتی ہے؟" اس پر دس (10) ایمان افروز نکات تحریر کیے ہیں۔

2۔ مقدس رسول ﷺ کی بین الاقوامی حیثیت

یہ مضمون نبی کریم ﷺ کے عالمگیر نبی ہونے کے دلائل پر مشتمل ہے۔ ابتداً درج ذیل چار پہلوؤں کی بین الاقوامی حیثیت پر قرآنی آیات پیش کی ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ جمیع کائنات کا خالق اور حاکم ہے۔

2۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت تمام مخلوقات کو شامل ہے۔

3۔ قرآن مجید ایک بین الاقوامی کتاب اور تمام انسانوں کے لیے ہدایت کا سامان ہے۔

4۔ امت محمدی ﷺ کو تمام امتوں پر فضیلت اور برتری حاصل ہے۔

پھر آپ نے نبی کریم ﷺ کے عالمگیر نبی ہونے کے سلسلہ میں عالم ارواح میں انبیائے کرام علیہم السلام سے لیے گئے میثاق کو ذکر کیا، انبیائے سابقہ علیہم السلام میں سے چند کے اقوال جو کہ سرکار ﷺ کی بعثت و آمد سے متعلق ہیں، انہیں ذکر کیا اور آخر میں ہندو مذہب کی کتب سے کچھ شہادتیں پیش کیں۔

3۔ معجزات وخوارق عادت پر منکرین کے اعتراض اور اس کا تحقیقی جواب

یہ مقالہ در حقیقت مرزا حیرت دہلوی اور سر سید احمد خان کے اس کلام کے رد میں ہے، جو انہوں نے خوارقِ عادت اور معجزات کے انکار میں لکھا ہے۔ حکمتِ جدیدہ کی مثال دے کر قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر جامع رد فرمایا ہے، مختصر کتابچہ ہے پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

4۔ رزق کی ذمہ داری

اس مضمون میں تین باتوں کی وضاحت ہے؛

ا۔ بنی نوع انسان بلکہ ہر ذی روح کے رزق کی فراہمی رب العالمین نے اپنے ذمۂ کرم پر لی ہے۔

2۔ رزق کے خزانے اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہیں، جن کے حصول کے لیے بندہ نے محنت و مشقت کرنی ہوگی۔

3۔ قرآن مجید میں صراحتاً یا اشارۃً رب تعالی نے انسانوں کو معاشی راہوں کی طرف ابھارا اور معاش کے حصول کے لیے ترغیب دلائی ہے اور رہبانیت کی نفی کی ہے۔

تقاریر:

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چند تقاریر کو تحریری صورت میں بھی شائع کیا گیا ہے جن کے عنوانات درج ذیل ہے۔

1۔ مراقبہ و اعمال

یہ تقریر دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلے حصہ میں قرآن و سنت اور اقوال صوفیہ کی روشنی میں مراقبہ کی حقیقت کو بیان کیا ہے۔ دوسرے حصہ میں اعمال کی قبولیت کے لیے نیت کے شرط ہونے کو بیان کیا ہے۔

2۔ تاجدار مسندِ تدریس

اس تقریر میں آپ نے اپنے استاد محترم حافظ ملت حافظ عبد العزیز مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے چند گوشوں کو بیان کیا ہے، یہ نامکمل تحریر ہے۔

3۔ قطب مدینہ رحمۃ اللہ علیہ

یہ تقریر آپ کی قطب مدینہ شیخ العرب والعجم حضرت علامہ مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے سیرت کے چند واقعات پر مشتمل ہے، اس تقریر میں دلوں کو تازگی بخشنے والا ایک واقعہ موجود ہے جو نذر قارئین ہے،

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قطب مدینہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بار ارشاد فرمایا کہ میں نے اعلی حضرت امام اہل سنت فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں عرض کی:

"حضور چند گھنٹوں میں آپ نے یہ کتاب "الدولۃ المکیۃ" لکھی ہے تو ہم کسی مخالف کے سامنے کہیں تو وہ کیسے یقین کرے گا؟" اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا:

"مخالف تو بہت سی باتوں پر یقین نہیں رکھتے، لیکن اہل محبت کے لیے یہ بات کافی ہو گی کہ جب اس فقیر نے کتاب کو لکھنا چاہا اور عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈنکے بجانے کے سلسلے میں مسئلہ شرعی لکھنا چاہا، تو اس وقت بخار کی حالت

میں زم زم شریف پر وضو کرکے، طوافِ کعبہ کرکے اور مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھ کر، کتاب لکھنا شروع کی بغیر اس کے کہ پاس کوئی کتاب ہوتی اور جب میں نے کتاب لکھنا شروع کی تو مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ میرے دائیں جانب سید عالم ﷺ جلوہ فرما ہیں اور بائیں جانب حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ تشریف فرما ہیں اور فرماتے بیٹا! یوں لکھو، گویا میرے قلب پر القا ہوتا تھا۔"

4۔ آخری یادگار تقریر

یہ تقریر قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال شریف سے سولہ گھنٹے پہلے کی ہے، وصال سے پہلے والی رات میں میمن مسجد مصلح الدین گارڈن میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کے سلسلہ میں ایک تقریب منعقد ہوئی، جس میں تاج الشریعۃ حضور مفتی اختر رضا خان، مفتی تقدس علی خان رحمۃ اللہ علیہما اور حضرت مولانا منان رضا خان صاحب مدظلہ تشریف فرما تھے۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تقریر عشق رسول ﷺ اور عاشق کی موت سے متعلق ہے۔

یہ سب وہ تحریری مواد ہے جو بحمد اللہ تعالی راقم السطور کے پاس موجود ہے، اگر ان کے علاوہ بھی کسی کے علم میں قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تحریر ہو تو ضرور اطلاع دیں، رب جلیل ہم سب کو قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو فیوض وبرکات سے مالامال فرمائے، اور ان کے مزار پُر انوار پر رحمت ورضوان کے بارشیں نازل فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

تحقیق کسے کہتے ہیں۔۔۔؟

(✍ مولانا محمد آصف اقبال مدنی عطاری)

تحقیق کی لغوی واصطلاحی تعریف

تحقیق "حق" سے مشتق ہے اور حق کہتے ہیں درست و محکم شے کو، اس کے تمام مشتقات میں حقیقت سے ہم آہنگی اور استحکام کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

"تحقیق" کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے حضرت علامہ شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"التحقیق: إثبات المسألة بدلیلها یعنی مسئلے کو اس کی دلیل کے ساتھ ثابت کرنا۔"

(التعریفات، حرف التاء، ص ۴۰)

"علمی تحقیق" کی تعریف یوں بھی کی گئی ہے: "کسی معین میدان میں ایسی منظم سعی و کوشش جس کا مقصد حقائق اور اصولوں کی دریافت ہو۔" بعض نے یہ کہا: "دقیق اور منضبط مطالعہ جس کا ہدف کسی مسئلے کی وضاحت یا حل ہو اور اس مطالعہ کے طریقے اور اصول مسئلے کے مزاج اور حالات کے اعتبار سے مختلف ہو سکتے ہیں۔" ایک تعریف یہ ہے: "منظم جستجو اور کھوج جس میں علمی حقائق کے لیے متعین شدہ مختلف اسالیب اور علمی مناہج اختیار کئے جائیں اور جس سے مقصود ان علمی حقائق کی صحت کی تحقیق یا ان میں ترمیم یا اضافہ ہو۔"

(تحقیق و تدوین کا طریقہ کار، ص ۲۲)

بالفاظِ دیگر استدلال، شواہد اور مآخذ کی بنیاد پر کسی نظریہ کو ثابت کرنے یا کسی شے کو محکم بنانے یا کسی بات کی درستی کو ثابت کرنے یا کسی امر کی حقیقت کو آشکار کرنے کے لئے باقاعدہ اور مربوط فکری و علمی جدوجہد کو تحقیق کہتے ہیں۔

تحقیق کے تقاضے اور احتیاطیں

جس طرح ہر کام کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں یوں ہی تحقیق کے بھی کچھ تقاضے اور احتیاطیں ہیں، مثلاً

(1) تحقیق کا خواہش مند متعلقہ موضوع کی مبادیات سے واقف ہو۔

(2) موضوع سے متعلق کتب و مراجع سے مراجعت کی صلاحیت رکھتا ہو۔

(3) تحقیق کرنے والا خوب چھان بین سے کام لے، جان نہ چھڑائے۔

(4) گہرائی و گیرائی سے مطالعہ کرے، سرسری و سطحی مطالعے پر اکتفاء نہ کرے۔

(5) درایت و روایت میں مہارت و ممارست رکھتا ہو۔

(6) دورانِ تحقیق اصل موضوع سے نہ ہٹے۔

(7) اندازِ بیان سادہ اور واضح ہو، تعبیرات گنجلک پن اور جھول سے پاک ہوں۔

میدانِ تحقیق کی مختلف جہتیں

بدلتے زمانے، تغیراتِ عالم اور علمی ترقی کے سبب جس طرح ہر علم و فن میں تنوع اور توسیع ہوتی جا رہی ہے ٹھیک اسی طرح "تحقیق" کا میدان بھی بڑا وسیع ہوتا جا رہا ہے، تحقیقات کی جہتوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔ دور حاضر میں درج ذیل علمی کام بھی تحقیق کے دائرے میں آتے ہیں:

(1) متعدد نسخوں سے تقابل کر کے کسی کتاب کا صحیح ترین نسخہ تیار کرنا۔ جیسے المدینۃ العلمیہ کی پیش کردہ "بہار شریعت"

(2) مخطوطے کی تصحیح کر کے اسے کتابی شکل میں پیش کر دینا۔ مثلا جد الممتار علی رد المحتار، التعلیقات الرضویۃ علی الحدیقۃ الندیۃ از المدینۃ العلمیہ

(3) کسی مشکل متن کی تسہیل وتوضیح کی غرض سے اُس پر حاشیہ نگاری کرنا، اس پر بین السطور کا اہتمام کرنا یا قوسین میں معانی کی وضاحت کر دینا۔ جیسے مفتی نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "فضل العلم والعلماء"، امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "اسماع الاربعین" اور استاد عبد الواحد مد ظلہ العالی کا حاشیہ "الفرح الکامل علی شرح ماۃ عامل"

(4) کسی مفصل وطویل کتاب کی تلخیص کرنا۔ جیسے مختصر منہاج العابدین، لباب الاحیاء (المدینۃ العلمیہ سے ان خلاصوں کے تراجم شائع ہو چکے ہیں)

(5) کتب ورسائل کی تخریج کرکے اس میں درج حوالہ جات کو کتاب، باب، فصل، جلد اور صفحہ نمبر کی قیودات کے ساتھ بیان کر دینا۔ اسلامک ریسرچ سینٹر (المدینۃ العلمیہ) کی کتب میں یہ طریقہ کار رائج ہے۔

(6) کتاب کے اصلاح طلب یا توضیح کے متقاضی مقامات پر تحقیقی حواشی کا اہتمام کرنا، اس کی کثیر صورتیں بنتی ہیں جن میں سے یہاں 11 صورتیں اور اُن کی مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

علمی تحقیق کی 11 صورتیں

(1) بسا اوقات کسی عبارت کے ظاہر سے اہلسنّت کے کسی مسلّمہ عقیدہ یا معمول پر زد پڑ رہی ہوتی ہے۔ محقق کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مقام کی احسن طریقے پر تحقیق و تفہیم کرے۔ مثلاً

"اصلاح اعمال" (ترجمہ الحدیقۃ الندیہ)، ج 1، ص 678 پر مذکور ہے: "اور حدیث شریف میں وارِد 'سختی نہ کرو' کا معنی یہ ہے کہ لوگوں کو حاجات طلب کرنے اور ان کے پورا کرنے کے لئے مخلوق کے پاس نہ بھیجو۔"... اس پر یہ تحقیقی حاشیہ دیا گیا ہے کہ "مطلب یہ ہے کہ حقیقی طور پر حاجات کو اللہ عزوجل ہی پورا فرماتا ہے اور ایک بندۂ مومن کا عقیدہ بھی یہی ہونا چاہئے کہ حقیقتاً کارساز اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے اور یہ مراد نہیں کہ حضرات انبیائے

کرام علیہم السلام اور اولیائے عظام رحمہم اللہ السلام کی بارگاہوں سے حاجات طلب کرنے اور انہیں وسیلہ بنانے کی ممانعت ہے۔ ورنہ احادیثِ مبارکہ میں تعارُض لازم آئے گا۔ کیونکہ۔۔۔۔۔الخ۔

(2) بعض اوقات کسی کتاب پر اعتماد کرتے ہوئے اس میں وارد اصل ماخذ ذکر کر دیا جاتا ہے جبکہ اس میں وہ روایت موجود نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایسے مقام پر وضاحت ناگزیر ہوتی ہے۔ مثلاً

''بہار شریعت''، ج3، ص65 پر حدیث یوں مذکور ہے: ترمذی نے ام المؤمنین عائشہ رضی االلہ تعالی عنہا سے روایت کی، رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہدیہ کرو کہ اس سے حسد دور ہو جاتا ہے۔'' اس پر اسلامک ریسرچ سینٹر (المدینۃ العلمیہ) نے یہ حاشیہ دیا: ''یہ روایت ترمذی میں نہیں ملی ہاں مشکوۃ المصابیح میں موجود ہے جہاں ترمذی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

(مشکوۃ المصابیح، ج ۲، ص ۱۸۷۔ حدیث: ۳۰۲۷، مطبوعہ: دار الفکر بیروت)

(3) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ قول کسی اور کا ہوتا ہے اور بیان کسی اور کے حوالے سے ہو جاتا ہے۔ اب تحقیق اس بات کی متقاضی ہے کہ اصل قائل کا نام دلیل کے ساتھ ظاہر کیا جائے۔ مثلا

''اصلاح اعمال''، ج1، ص51 پر ہے: ''تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار'' میں ہے ''اگر کسی نے بلا طہارت دو رکعتوں کی منت مانی تو حضرت سیِّدُنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے نزدیک ان دو رکعتوں کو طہارت کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے۔'' اس پر المدینۃ العلمیہ کی طرف سے لکھا گیا ہے کہ ''یہاں کتابت کی غلطی ہے کیونکہ یہ حکم حضرت سیِّدُنا امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۸۲ھ) کے نزدیک ہے۔ جیسا کہ تنویر الابصار کی شرح درمختار، کتاب الصلاۃ، باب الوتر والنوافل، جلد2 کے صفحہ 595 پر اس کی صراحت موجود ہے اور ایسا ہی فتح القدیر، کتاب الایمان، فصل فی الکفارۃ، جلد5 کے صفحہ 87 پر ہے۔

”احیاءالعلوم“، ج۳، ص ۱۵۲ (مطبوعہ: دار صادر بیروت) میں مروی ہے کہ سیدنا کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”جمعہ کی آخری ساعت قبولیت کی گھڑی ہے۔“ اس پر علامہ مرتضیٰ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ تو حضرت سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ کا قول ہے جیسا کہ سنن ابی داود اور نسائی میں مروی ہے۔

(اتحاف، ج۳، ص ۴۶۱ مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور سنن نسائی میں ہے کہ سیدنا کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ شروع میں اس بات کے قائل تھے کہ ”یہ قبولیت کی ساعت سال میں ایک مرتبہ ہوتی ہے۔“ پھر آپ نے اس سے رجوع کر لیا تھا لیکن آخری ساعت کی ”تعیین“ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ سے منقول ہے۔

(سنن النسائی، ص ۲۴۲، حدیث: ۱۴۲۷، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت)

(4) کبھی کسی روایت کو زیادتی کے ساتھ ذکر کر دیا جاتا ہے حالانکہ وہ زیادتی کے ساتھ مروی نہیں ہوتی۔ یہاں اس زیادتی کی نشاندہی ضروری ہے۔ مثلاً

”ردالمحتار“، ج5، ص198 (مطبوعہ دار لثقافة والتراث دمشق) پر علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”قد روی في حديث أبي هريرة: أن المؤمن لا ينجس حيا و لا ميتا.“... اس پر ردالمحتار کے محقق لکھتے ہیں کہ: یہ روایت ”حیاً ولا میتاً“ کی زیادتی کے ساتھ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے ہمیں نہیں ملی۔

(5) کبھی کتابت کی غلطی سے ”واحد کا صیغہ“ جمع اور ”جمع کا صیغہ“ واحد ہو جاتا ہے۔ ایسے مقام کی نشاندہی لازمی ہے۔ مثلاً

”کفریہ کلمات کے بارے میں سوال جواب“، صفحہ نمبر 42 پر نزہۃ القاری، ج1، ص 239 کے حوالے سے اقتباس نقل کیا گیا ہے (جس میں یہ بھی ہے): ”یونہی وہ باتیں جن کا ثبوت قطعی ہے مگر ان کا دین سے ہونا عوام

وخواص سب کو معلوم نہیں تو وہ بھی ضروریاتِ دین سے نہیں، جیسے صلبی بیٹی کے ساتھ اگر پوتی ہو تو پوتی کو چھٹا حصہ ملیگا...."اس پر بانی دعوتِ اسلامی، قبلہ شیخ طریقت، امیر اہلسنّت زید مجدہ الکریم نے تحریر فرمایا:"نزہۃ القاری" کے نسخوں میں اس جگہ "بیٹی" کے بجائے "بیٹیوں" لکھا ہے جو کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ "المسایرہ" صفحہ ۳۶۰ پر تحریر فرماتے ہیں: جن کا ثبوت قطعی ہے مگر وہ ضروریات دین کی حد کو نہ پہنچا ہو جیسے (میراث میں) صلبی بیٹی کے ساتھ اگر پوتی ہو تو پوتی کو چھٹا حصہ ملنے کا حکم اجماع امت سے ثابت ہے۔۔۔۔۔الخ

(6) بعض دفعہ ملتا جلتا ہونے کے باعث مولف، قائل یا راوی وغیرہ کا نام بدل جاتا ہے۔ محقق کو چاہیے کہ اصل نام کو بیان کر دے۔ مثلاً

"ردالمحتار"، ج5، ص365 پر علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمایا: ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر سال شہدائے اُحد کی قبور پر تشریف لے جایا کرتے تھے۔"اس پر محقق فرماتے ہیں: یہ روایت "ابن شبہ" نے تاریخ المدینۃ المنورۃ میں نقل کی ہے۔"مصنف ابن ابی شیبہ" میں یہ روایت موجود نہیں یعنی یہاں "ابن شبہ" کو "ابن ابی شیبہ" گمان کر لیا گیا۔

(7) کبھی کسی فقہی مسئلے کی وضاحت ناگزیر ہوتی ہے۔ لہٰذا تحقیق کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مثلاً

"بہار شریعت"، ج3، ص341 پر ہے: جس کے دانت نہ ہوں (اس کی قربانی ناجائز ہے) اس پر اسلامک ریسرچ سینٹر (المدینۃ العلمیہ) کی طرف سے یہ تحقیق دی گئی ہے:"یعنی ایسا جانور جو گھاس کھانے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو، ہاں! اگر گھاس کھانے کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے جیسا کہ بحر الرائق، ج۸، ص ۳۲۳، الھدایۃ، ج۲، ص۳۵۹، تبیین الحقائق، ج۶، ص۴۸۱، الفتاوی الخانیۃ، ج۲، ص۳۳۴، الفتاوی الھندیۃ، ج۵، ص۲۹۸ پر مذکور ہے۔"

(8) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ توجہ نہ ہونے یا نسخہ کی تبدیلی یا کتابت میں غلطی یا الفاظ کے ہم شکل ہونے کے سبب لفظ ہی بدل جاتا ہے۔ ایسے مقام پر اصل سے مراجعت کر کے درست لفظ کی تحقیق و تعیین ناگزیر ہوتی ہے۔ مثلاً

"اصلاح اعمال"، ج1، ص557 پر "المواھب اللدنیۃ" سے منقول ہے: "کیونکہ علمِ لدنی روحانی کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ... الخ۔"...اس پر امام اہلسنّت، امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ) نے حاشیہ میں فرمایا:

"(لفظ المواہب ج٦، ص٣٦٠) رحماني بالنسبة إلى الرحمٰن عزوجل وهو الأوفق الأصح ١٢ يعني المواہب اللدنیۃ، ج٦، ص٣٦٠ (دار الکتب العلمیۃ کے نسخے مطبوعہ 1996ء کے مطابق ج٢، ص٤٩٢) پر روحانی کے بجائے رحمانی ہے اور رحمن عزوجل کی طرف نسبت کے اعتبار سے یہ ہی زیادہ صحیح اور مناسب ہے۔"

(9) بسا اوقات کتابت کی غلطی یا مؤلف کے تسامح سے کتاب میں یہ صراحت ہوتی ہے کہ فلاں کتاب میں یہ روایت فلاں صحابی سے مروی ہے۔ وہ روایت اس کتاب میں موجود تو ہوتی ہے لیکن دوسرے صحابی سے مروی ہوتی ہے۔ مثلاً

"بہار شریعت"، ج3، ص 563 پر ہے: طبرانی نے اوسط میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم) نے فرمایا کہ "لڑکا یتیم ہو تو اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے میں آگے کو لائے اور بچہ کا باپ ہو تو ہاتھ پھیرنے میں گردن کی طرف لے جائے۔" اس پر المدینۃ العلمیہ کی طرف سے یہ تحریر کیا گیا ہے: "یہ روایت طبرانی اوسط میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے۔"

(10) بعض اوقات کسی مسئلہ میں دلیل کے طور پر ضعیف حدیث نقل ہو جاتی ہے۔ مُحقِّق و مُخَرِّج کی ذمہ داری ہے کہ اس کے ضُعف کو دلیل کے ساتھ واضح کرے۔ مثلاً

"اصلاح اعمال"، ج1، ص100 پر ہے: مختار قول یہ ہے کہ ہمزہ کو ترک کر دیا جائے کیونکہ حضور نبی کریم، رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی لغت بھی یہی ہے۔ مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ نبوی میں

حاضر ہو کر عرض کی: ''یا نبیٔ اللہ۔'' تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے ارشاد فرمایا: ''میں نبیٔ اللہ نہیں بلکہ نبیُّ اللہ ہوں۔'' اس پر اسلامک ریسرچ سینٹر کی طرف سے یہ حاشیہ دیا گیا ہے: ''اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد حضرت سیدنا امام قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''ابو علی نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔(اس کے بعد آپ فرماتے ہیں) اس حدیث کے ضعیف ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کرنے والے شاعر (صحابی) نے سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے یا خاتمَ النباء(یعنی اے آخری نبی) کہا(اور ہمزہ کے ساتھ نباء لفظِ نبیٔ بالھمزہ کی جمع ہے) اور سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اس بات سے انکار منقول نہیں۔''

(الجامع لاحکام القران للقرطبی تحت الایۃ: ۶۱ ''لا تدخلوا بیوت النبی۔۔۔۔۔ الایۃ، ج۱، ص۳۴۹)

(11) کبھی عبارت کے ظاہری مفہوم سے سخت مغالطے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے سدباب کے لئے محقق و مدلل حاشیہ ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً

''اصلاح اعمال''، ج1، ص601 پر تحریر ہے: ''لہٰذا کفر کو باعتبارِ کفر برا سمجھا جائے نہ کہ اس معین کافر کو۔'' اس پر المدینۃ العلمیہ نے یہ تحقیقی حاشیہ دیا ہے: ''یاد رہے کافر کو برا سمجھنے اور اس کی تعظیم و عزت افزائی میں فرق ہے۔ کفار کی تعظیم و تکریم کفر ہے۔ چنانچہ مجددِ اعظم ،اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ) ''فتاوی ظہیریہ، الاشباہ والنظائر اور در مختار'' کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں: لَوْسَلَّمَ عَلَی الذِّمِّیِّ تَبْجِیْلًا یُکْفَرُ لِاَنَّ تَبْجِیْلَ الْکَافِرِ کُفْرٌ وَلَوْ قَالَ لِمَجُوْسِیٍّ یَا اُسْتَاذُ تَبْجِیْلًا کَفَرَ ترجمہ: اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کافر کو بطورِ عزت و توقیر سلام کیا تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ کافر کی عزت افزائی کفر ہے اور اگر کسی نے آتش پرست (یعنی آگ کے پجاری) کو تعظیم کے طور پر ''اے استاذ'' کہا تو وہ کافر ہو گیا۔ (فتاوی رضویہ، ج۶، ص۱۹۳) نیز کفار کے ساتھ حسنِ سلوک ، کفر اور کفر پر مدد و اعانت کے علاوہ دیگر معاملات میں ہو سکتا ہے

مثلاً مشرک پڑوسی کے ساتھ حق پڑوس کی ادائیگی اور کافر باپ کی غیر کفریہ معاملات میں اطاعت وغیرہ، ورنہ کفار سے موالات (یعنی میل جول) ناجائز و حرام ہے۔ چنانچہ سیِّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۳۴۰ھ) ارشاد فرماتے ہیں: "قرآنِ عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات (یعنی میل جول، باہمی اتحاد، آپس کی دوستی) قطعاً حرام فرمائی، مجوس (آگ کے پجاری) ہوں خواہ یہود و نصاریٰ (یہودی وعیسائی) ہوں، خواہ ہُنُود (ہندو) اور سب سے بدتر مُرتدانِ عُنُود (دینِ حق سے بغاوت کرنے والے مرتدین) (فتاوی رضویہ، ج۱۵، ص۲۷۳)، ہاں! دنیوی معاملات مثلاً خرید و فروخت وغیرہ (اس کی شرائط کے ساتھ) جس سے دین پر ضرر (یعنی نقصان) نہ ہو مرتدین کے علاوہ کسی سے ممنوع نہیں (فتاوی رضویہ، ج۲۴، ص۳۳۱ ملخصًا) مزید تفصیل کے لئے فتاوی رضویہ شریف کے مذکورہ مقامات کا مطالعہ فرمائیے۔

حق الیقین ترجمہ النور المبین[2]

(✍ مولانا عبد الحسیب خان اختر القادری - قسط ششم)

ترجمہ: اور مہاجرین اور انصار میں سے (نیکی میں) سبقت کرنے والے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے اور جن مسلمانوں نے نیکی میں ان کی اتباع کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ (قسط پنجم سے پیوستہ)

قاعدہ ثالثہ:

آخرت کے بارے میں کلام اور اس میں چار فصلیں ہیں۔

الفصل الاول:

مسئلہ: معاد کے اثبات کے بارے میں

جان لیجئے کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اور قیامت کے دن حساب، ثواب اور عقاب کیلئے مخلوق کا حشر ہو گا، اس بات پر دلیل یہ ہے کہ یہ امر ممکن غیر محال ہے، اس کا ذکر اللہ عزوجل کی نازل کردہ کتابوں میں آچکا ہے اور رسولوں کے ذریعے اس کی خبر دے دی گئی ہے لہذا اس پر ایمان واجب ہے اور ہماری شریعت میں جس قدر اس کا بیان اور اس کے احوال کی تفصیل وارد ہوئی کسی اور شریعت میں وارد نہیں ہوئی۔

---

[2] النور المبین فی قواعد عقائد الدین علمِ کلام و اصولِ عقائد پر مشتمل امام ابو القاسم محمد بن احمد جُزَی الکلبی الغرناطی رحمہ اللہ (متوفی ۷۴۱ھ) کی بہت عمدہ تالیف ہے، یہ کتاب ۲۰۱۵ میں دار الامام ابن عرفہ - تونس اور المرکز العربی للکتاب - متحدہ عرب امارات کی مشارکت سے شائع ہو چکی ہے جس کا اردو ترجمہ فاضل محترم مولانا عبد الحسیب خان اختر القادری حفظہ اللہ نے قلمبند فرمایا ہے۔ نفحاتِ حرم اِسے قسط وار شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ (ادارہ)

یوم آخرت کے امر ممکن ہونے پر دلیل تین وجھوں سے ہے:

وجہِ اول: اللہ عزوجل اجسام کو فنا کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، جیسا کہ اس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا؛

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ** (یٰس: ۷۹)

ترجمہ: آپ ﷺ فرمادیجئے کہ زندہ کرے گا وہ جس نے پہلی مرتبہ پیدا کیا۔

اور ارشاد فرمایا:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾ (القيامة: ۳۶، ۳۷ إلى آخر السورة)

ترجمہ: کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ سب برابر سرابر کردیا جائے گا، کیا وہ اس منی کا قطرہ نہیں تھا جو گرائی جائے۔

اور ارشاد فرمایا:

وَ هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ (الروم: ۲۷)

ترجمہ: اور وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس پر بہت آسان ہے۔

وجہِ ثانی: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے اور بلاشبہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنا لوگوں کو پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے، اسی طرح وہ لوگوں کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى
(الأحقاف: ۳۳)

ترجمہ: اور کیا انہوں نے یہ نہ جانا کہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے اور ان کو پیدا کرنے سے وہ تھکا نہیں وہ ضرور مردوں کو زندہ کرنے پر (بھی) قادر ہے، کیوں نہیں۔

وجہ ثالث: اللہ تعالیٰ زمین کو اس کی موت کے بعد بارش کے ذریعے زندہ کرتا ہے، اور اس میں کھیتی اگاتا ہے جبکہ اس سے پہلے اس میں کچھ نہیں تھا، اسی طرح وہ مخلوق کو اُن کی موت کے بعد زندہ کرے گا۔ ارشاد فرمایا:

وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ (الحج: ۵)

ترجمہ: اور تم زمین کو خشک حالت میں دیکھتے ہو پس جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ ترو تازہ اور ہری بھری ہو جاتی ہے اور وہ ہر قسم کا خوشنما سبزہ اگاتی ہے۔

اور ارشاد فرمایا: وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۭ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ (ق: ۱۱)

ترجمہ: اور اس پانی سے ہم نے مردہ شہر کو زندہ کیا، اسی طرح تمہارا (قبروں) سے نکلنا ہے۔

آپ اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور کریں کہ اس نے حشر پر اپنی قدرت بیان کرتے ہوئے بطور تنبیہ فرمایا:

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (النحل: ۷۷)

ترجمہ: اور قیامت کا وقوع پلک جھپکنے میں یا اس سے جلد ہو گا۔

اور فرمایا:

مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ (لقمان: ۲۸)

ترجمہ: تم سب کو پیدا کرنا اور تم سب کو دوبارہ زندہ کرنا (اس کے نزدیک) ایک جان کی مانند ہے۔

اور جان لیجئے کہ دوبارہ زندہ کئے جانے میں چند وجوہ سے حکمت ہے:

ایک وجہ یہ کہ لوگوں میں اختلاف ہوتا ہے، چنانچہ ان کو اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ حق قائم ہو جائے اور ان کے درمیان ان کے اختلاف کا فیصلہ ہو جائے۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ (السجدة: ۲۵)

ترجمہ : بے شک تمہارا رب وہ ہے جو ان کے درمیان قیامت کے دن اس چیز کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

اور فرمایا:

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ (النحل: ۳۹)

ترجمہ: تاکہ وہ ان پر اس حقیقت کو کھول دے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اسلئے کہ کفار جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں میں سے بعض مؤمن ہیں اور بعض کافر ہیں اور اطاعت گزار و نافرمان بھی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کرے گا تاکہ ہر ایک اپنے عمل کی جزا پالے۔ ارشاد فرمایا:

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ (إبراهيم: ۵۱) ترجمہ: تاکہ اللہ ہر ایک کو اس کے عمل کی جزا دے۔

اگر یومِ بعث اور جزائے اخروی نہ ہو تو نیک اور بد میں فرق نہیں ہو گا، کیونکہ ان کیلئے صرف دنیا ہی ہو گی اور کبھی فاجر و کافر کی دنیا اچھی ہوتی ہے، چنانچہ ایسا گھر ضروری ہے جس میں ان کی جزا کا فرق ظاہر ہو۔

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا: اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ (المؤمنون: ۱۱۵)

ترجمہ: کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تمہیں بے کار پیدا کیا گیا اور تم اس کی جانب لوٹائے نہیں جاؤ گے۔

اور ارشاد فرمایا:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ ۭ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (الجاثية: ۲۱)

ترجمہ: جن لوگوں نے (برسرِ عام) گناہ کئے انہوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کی زندگی اور موت کو مؤمنین اور صالحین کے برابر کر دیں گے، یہ کیسا برا فیصلہ کر رہے ہیں۔

اور ارشاد فرمایا:

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ (القلم: ۳۵) ترجمہ: کیا ہم اطاعت گزاروں کو نافرمانوں کی مثل کریں گے۔

الفصل الثانی:

قیامت سے پہلے ہونے والے واقعات کے بیان میں

شریعت میں اُن چند امور کا ذکر آیا ہے جو موت اور یومِ قیامت کے درمیان ہونگے، چنانچہ ان پر ایمان لانا واجب ہے، ان امور میں سے منکر نکیر کے سوالا اور عذابِ قبر ہے۔

ان امور کا بیان بھی آیا ہے جو قربِ قیامت واقع ہونگے، یعنی قیامت کی نشانیاں جو قیامت سے پہلے ظاہر ہونگی، ان میں سے دجال کا خروج، یاجوج وماجوج کا آنا، دابۃ الارض کا نکلنا، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا وغیرہ ہیں۔

عذابِ قبر پر کتاب وسنت دلالت کرتی ہیں، کتاب اللہ سے دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا (المؤمن: ٤٥، ٤٦)

ترجمہ: اور آل فرعون کو سخت عذاب نے گھیر لیا، صبح اور شام ان کو دوزخ کی آگ پر پیش کیا جاتا ہے۔

اس آیت سے وجہِ استدلال یہ ہے کہ یہ آیت قیامت سے پہلے عذاب پر صریح دلیل ہے۔ کیونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ (المؤمن: ٤٦)

ترجمہ: قیامت کے دن ہم آل فرعون کو زیادہ سخت عذاب میں داخل کریں گے۔

تو آلِ فرعون کو قیامت سے پہلے اُن کی قبروں میں عذاب دیا جاتا ہے۔

سنت سے عذابِ قبر کے ثبوت میں احادیث صحیحہ کثیر تعداد میں وارد ہوئیں، اور نبی کریم ﷺ سے ان احایث کو صحابہ کی کثیر جماعت نے روایت کیا ہے، ان صحابہ میں ابو سعید خدری، ابو ایوب انصاری، عائشہ، عثمان بن عفان، براء بن عازب، اسماء بنت ابی بکر، انس بن مالک، ابو ہریرہ، رضی اللہ عنہم اجمعین وغیرہ ہیں، جن کی تخریج ائمہ

محدثین جیسے مسلم، بخاری، ترمذی، ابو داؤد، نسائی نے کی اور عذاب قبر پر امت کے سلف متفق ہیں، یہی مذہبِ اہل سنت اور جمہور مسلمین کا مذہب ہے۔

قیامت کی نشانیاں احایثِ صحیحہ میں وارد ہوئی ہیں، جن کو کثیر صحابہ کرام نے روایت کیا ہے، ان نشانیوں میں سے چند قرآن میں بیان ہوئیں؛

اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ (الأنبياء: ٩٦) ترجمہ: یہاں تک کہ جب یاجوج وماجوج کو کھول دیا جائے گا۔

اور ارشاد فرمایا:

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ (النمل: ٨٢)

ترجمہ: اور جب ہمارا قول ان پر واقع ہو جائے گا تو ہم ان کیلئے دابۃ الارض نکالیں گے جو ان سے کلام کریگا۔

اور ارشاد فرمایا:

يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا (الأنعام: ١٥٨)

ترجمہ: جس دن آپ کے رب کی بعض نشانیاں آجائینگی تو کسی ایسے شخص کو ایمان لانے سے نفع نہیں ہو گا جو اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو۔

اور یہ تب ہو گا جب سورج مغرب سے طلوع ہو گا اور اس دن توبہ کا باب بند ہو جائیگا، ہاں اس سے پہلے کی توبہ قبول ہو گی جبکہ جملہ شرائط کے ساتھ ہو۔

الفصل الثالث:

قیامت کے دن اور اس کے احوال کے بارے میں

شریعت میں ان امور کا بیان آیا ہے جو قیامت کے دن ہونگے، چنانچہ ان پر ایمان واجب ہے، ان امور میں سے صراط، میزان، حساب، قصاص، اعمال نامے کا پڑھا جانا، نبی کریم ﷺ کا حوض اور آپ کی شفاعت، اور اعضاء کی شہادت قابل ذکر ہیں۔

صراط پر کتاب اللہ سے دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ (الصافات: ۲۳) ترجمہ: پھر ان سب کو دوزخ کے راستہ پر لے جاؤ۔

سنت سے اس پر دلیل احادیثِ صحیحہ ہیں جن کو نبی کریم ﷺ سے صحابہ کی کثیر جماعت نے روایت کیا، ان صحابہ میں ابو ہریرہ، حذیفہ، عائشہ، ابو سعید خدری، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اجمعین جیسے جلیل القدر اصحاب شامل ہیں، اور ائمہ میں سے امام مسلم، ترمذی، ابو بکر بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ نے ان احادیث کی تخریج کی، اور اس پر اسلاف اور اہلِ سنت کے متاخر علما سب متفق ہیں۔

میزان پر کتاب اللہ سے کثیر آیات دلالت کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ (الأنبياء: ٤٧)

ترجمہ: اور ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو رکھیں گے۔

اور فرمایا: وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ (الأعراف: ٨) ترجمہ: اس دن میزان حق ہے۔

اور سنت سے اس پر احادیثِ صحیحہ وارد ہیں جن کو نبی کریم ﷺ سے ایک جماعت نے روایت کیا، جس میں عائشہ، انس بن مالک شامل ہیں، اور ائمہ محدثین نے ان احادیث کی تخریج کی۔

حساب پر کتاب اللہ سے آیاتِ کثیرہ دلالت کرتی ہیں، ان آیات میں حساب کو یومِ قیامت کا وصف قرار دیا ہے۔
اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

فَسَوۡفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیۡرًا (الإنشقاق: ۸) ترجمہ: تو اس سے عنقریب بہت آسان حساب لیا جائے گا۔

اور ارشاد فرمایا: فَوَرَبِّكَ لَنَسۡـَٔلَنَّهُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ (۹۲) عَمَّا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ (الحجر: ۹۲، ۹۳)

ترجمہ: تو آپ ﷺ کے رب کی قسم ہم ان سب سے ضرور سوال کریں گے، کہ وہ کیا کرتے رہے تھے۔

اور سنت سے اس پر احادیث صحیحہ وارد ہیں جن کو نبی کریم ﷺ سے ایک جماعت نے روایت کیا، جس میں عائشہ، عبداللہ بن مسعود، ابو برزہ اسلمی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل ہیں اور ائمہ محدثین نے ان احادیث کی تخریج کی اور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے۔

قِصاص پر کتاب اللہ سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلالت کرتا ہے:

وَ قُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡحَقِّ (الزمر: ٦٩) ترجمہ: اور ان کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا۔

اور سنت سے اس پر احادیثِ صحیحہ وارد ہیں جن کو نبی کریم ﷺ سے ایک جماعت نے روایت کیا، جس میں ابو ہریرہ، ابو سعید خدری اور انس بن مالک رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں اور ائمہ محدثین نے ان احادیث کی تخریج کی اور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے۔

نامہ اعمال کے پڑھے جانے پر کتاب اللہ کی کثیر آیات دلالت کرتی ہیں۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا:

وَ كُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِیۡ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخۡرِجُ لَهٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ كِتٰبًا یَّلۡقٰىهُ مَنۡشُوۡرًا (الأسراء: ۱۳)

ترجمہ: اور ہم نے ہر انسان کا اعمال نامہ اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے، اور ہم قیامت کے دن اس کا اعمال نامہ نکالیں گے، جس کو وہ کھلا ہوا پائے گا۔

اور ارشاد فرمایا: فَاَمَّا مَنۡ اُوۡتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیۡنِهٖ (الحاقة: ۱۹)

ترجمہ: سو جس کو اس کا صحیفہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔

اور سنت سے اس پر احادیث صحیحہ وارد ہیں جن کو نبی کریم ﷺ سے ایک جماعت نے روایت کیا، جس میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ابو موسیٰ اشعری، اور انس بن مالک رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں اور ائمہ محدثین نے ان احادیث کی تخریج کی اور مسلمین کا اس پر اتفاق ہے۔

حوض سے مراد حوضِ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو عطا کرے گا؛

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ (الکوثر: ۱) ترجمہ: ہم نے آپ ﷺ کو کوثر عطا کیا۔

اور اس کی تفسیر میں نبی کریم ﷺ سے احادیث صحیحہ وارد ہیں، اور سنت سے اس پر احادیث صحیحہ وارد ہیں جن کو نبی کریم ﷺ سے ایک جماعت نے روایت کیا، جس میں ثوبان، ابوذر، انس بن مالک، عائشہ، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، ام سلمہ، ابو ہریرہ، عمر بن الخطاب، جابر بن عبد اللہ، حذیفہ بن الیمان، ابو برزہ اسلمی رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں اور ائمہ محدثین نے ان احادیث کی تخریج کی۔

شفاعت پر کتاب اللہ سے دلیل اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ کیلئے یہ ارشاد ہے؛

عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا (الأسراء: ۷۹)

ترجمہ: عنقریب آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو مقام محمود پر فائز کرے گا۔

اور سنت سے اس پر احادیث صحیحہ وارد ہیں جن کو نبی کریم ﷺ سے ایک جماعت نے روایت کیا، جس میں حذیفہ، ابو ہریرہ، عبد اللہ بن عمر، انس بن مالک، جابر بن عبد اللہ، ابو امامہ، ابو موسیٰ اشعری، عمران بن حصین، ورضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں اور ائمہ محدثین نے ان احادیث کی تخریج کی اور اس پر سلف صالحین اور اہلِ سنت کا اتفاق ہے۔

اَعضا کے گواہی دینے پر کتاب اللہ سے دلیل اللہ تعالی کا یہ ارشاد ہے:

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النور: ٢٤)

ترجمہ: جس دن ان کے خلاف ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کرتے رہے تھے۔

اور ارشاد فرمایا:

شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (حم السجدة: ٢٠)

ترجمہ: ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کی کھالیں ان کے خلاف ان کاموں کی گواہی دیں گے جو وہ دنیا میں کیا کرتے تھے۔

اور سنت سے اس پر احادیث صحیحہ وارد ہیں جن کو نبی کریم ﷺ سے ایک جماعت نے روایت کیا، جس میں انس بن مالک اور ابو امامہ باہلی رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں اور ائمہ محدثین نے ان احادیث کی تخریج کی۔

جان لو کہ یہ وہ امور ہیں جن کا وقوع قیامت کے دن اور اس سے قبل ہو گا، احادیث میں ان کا وصف، اور ان کے احوال کی تفصیل آئی ہیں، ہم نے اس تفسیر کو اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا، اس لئے کہ ہمارا ارادہ ان امور کے وقوع کا اثبات ہے۔

(جاری ہے)

جب اشرافیہ غافل ہوجائے توقومیں تباہ کردی جاتی ہیں

(✍ مولانا پٹیل عبد الرحمن مصباحی)

اشرافیہ سے کیامراد ہے اس حوالے سے رائے مختلف ہو سکتی ہے، عام طور پر انگریزی میں اس کے لیے Elite کا لفظ استعمال ہوتا ہے، کبھی سادہ الفاظ میں Cream class بھی بولتے ہیں۔ ہمارے خیال میں اس کی آسان سی توجیہ یہ ہے کہ "اشرافیہ یعنی قوم کا بااختیار طبقہ، چاہے وہ مالی حیثیت سے بااختیار ہو، سیاسی حیثیت سے یا پھر مذہبی حیثیت سے" کسی بھی معاشرے کی سمت کا تعیّن اس کی اشرافیہ کے طریقۂ حیات سے ہوتا ہے، اشرافیہ یعنی قافلے کے آگے چلنے والا نمائندہ گروہ، یہ درست راہ پاکر ثابت قدم رہنے میں کامیاب ہوجائے تو قوم کا پورا قافلہ فلاح ونجات کی منزل سے خود بہ خود ہمکنار ہوجاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نظامِ حیات کی تشکیل میں اس طبقے کا رول کلیدی ہوتا ہے، اس طبقے کے فیصلے تقریباً ساری قوم بلکہ پوری انسانیت پر اثر انداز ہوتے ہیں، لہٰذا اشرافیہ کی شرافت قوم کے لیے نیک فالی اور ان کی شرارت قوم کے لیے تباہی کے روپ میں ظاہر ہوتی ہے۔

اقوامِ عالم کی جو مرضی تاریخ پڑھ لیجیے، کسی بھی دور میں کسی بھی تہذیب کے ماننے والوں کے مقدّر میں تباہی و بربادی اس وقت تک نہیں لکھی گئی جب تک اشرافیہ غافل، بے کار، شر پسند اور ملت فروش نہیں ہوگئی۔ عوام کی بھیڑ چال قوموں کے عروج وزوال کا فیصلہ نہیں کرتی، بلکہ وہ تو جانے انجانے میں اشرافیہ کے قائم کردہ سسٹم کی پیروکار ہوتی ہے، قوموں کا مقدر تو اشرافیہ کے ذریعے عمل میں لایا جانے والا طرزِ حیات طے کرتا ہے۔ گویا قوم کا درخت اسی وقت ثمر بار ہو سکتا ہے جب اشرافیہ کی جڑیں تر و تازہ اور مستحکم ہوں، ورنہ اگر اشرافیہ ہی زنگ آلود ہو تو قوم کا وقت کے تقاضوں اور دشمن طاقتوں کے سامنے سرنگوں ہو جانا بدیہی امر ہے۔

آیئے! ذرا تاریخ کے تہہ خانے میں جھانک کر اشرافیہ کا کلیدی کردار سمجھنے کی کوشش کریں۔

** اِدھر مستعصم کے طبقہ اشرافیہ میں بدترین خیانت دار وزراء و امراء کا اثر انداز ہونا تھا کہ اُدھر سے تاتاریوں کی قیامت نے بغداد کے دروازے پر دستک دی، اشرافیہ کی اس غفلت کے نتیجے میں تباہی و بربادی کا وہ خونی منظر سامنے آیا کہ سعدی نے آسمان کو خون کے آنسو رونے کا حق دے دیا۔

** متحدہ ہند میں ٹیپو سلطان اور سراج الدولہ کو شکست نہ ہوتی اگر اشرافیہ میں میر جعفر و میر صادق جیسے ملت فروش نہ پنپتے۔

** خلافت عثمانیہ اسی وقت تک محفوظ رہی جب تک سلطان محمد فاتح اور سلطان عبد الحمید جیسے لوگ اشرافیہ کی زینت بنے رہے، جیسے ہی تُرک اشرافیہ میں کمال پاشا جیسے مغرب زدہ لوگوں کا وجود ہوا، جنگِ عظیم کی ہولناکیوں نے اس عظیم سلطنت کو آلیا اور جشنِ فتح میں برطانیہ نے اسلامی خطۂ حکومت کو کیک کی طرح تقسیم کر کے پورے عالم اسلام پر اپنی تہذیب تھوپ دی۔

اس کے علاوہ رضا شاہ پہلوی سے لے کر ابن سبا تک اور ابو الکلام آزاد سے لے کر مروان تک: طبقۂ اشرافیہ کو شرمندہ کرنے والوں کی لمبی فہرست تاریخ کے نوٹس بورڈ پر دیکھی جاسکتی ہے، اگر کوئی تاریخ کا طالب علم اشرافیہ کے واسطے سے اقوامِ عالم کے عروج وزوال کی داستان مرتّب کرنا چاہے تو یہ ایک مستقل تحقیقی عنوان ہے۔

آج امت کی زبوں حالی کی سب سے بڑی اور بنیادی وجہ اشرافیہ کی غفلت، نادانی، عیاشی اور ملت فراموشی ہی ہے۔ جہاں تک متوسط و نادار طبقے کا تعلق ہے تو یہ بے چارے کسی طرح دو وقت کی روٹی کما کر باعزت زندگی گزارنے کی کوشش کر رہے ہیں اور حتیٰ الامکان اپنے معاملات کو اسلامی نہج پر ڈھالنے کا خیال بھی رکھتے ہیں۔ انہیں نہ تو بڑے بڑے مذہبی فلسفوں سے غرض ہے نہ دین کے مقابلے میں دولت کا گھمنڈ، نہ ہی سیاست کے نام پر دین وملت کی سوداگری کا ڈھنگ، کیمبرج کے مایہ ناز فرزند ڈاکٹر ہارون لکھتے ہیں:

”میرے نزدیک اسلام کا سب سے بہتر گروہ عام مسلمان ہیں، یعنی مسلمان عوام۔ وہ اسلام سے متعلق بحیثیت

دین اور فلسفہ کے بہت کم جانتے ہیں اور ان کی بہت سی چیزیں اسلام سے مطابقت نہیں رکھتیں، لیکن وہ ایک قابلِ شناخت اسلامی زندگی گزارتے ہیں، جس کا سبب ان کا اسلام پر پختہ یقین ہے۔"

(میں نے اسلام قبول کیوں کیا؟، رضا اکیڈمی، یوکے)

ہم ذیل میں موجودہ اسلامی دنیا کی سیاسی، معاشی اور مذہبی اشرافیہ کا ایک سرسری تجزیہ پیش کریں گے جس کے آئینہ میں آنے والے کل کی دھندلی سی تصویر نظر آجائے تو زہے قسمت۔

سیاسی اشرافیہ

امت کی موجودہ سیاسی اشرافیہ کی بات کریں تو زمینی حقیقت یہ ہے کہ 54 ممالک کی اشرافیہ ایک ساتھ الحاد کی دُھن پر سُودی معیشت کا چولا پہنے جمہوریت کا ننگا ناچ ناچ رہی ہے، چند ایک مقامات جمہوری بُت کی پرستش سے پاک بھی ہیں تو وہاں بادشاہت یا ڈکٹیٹر شپ کے صنم کی دھوم مچی ہوئی ہے۔ محمد بن سلمان جیسے یہودی نواز سے لے کر مشرف جیسے الحاد پرست تک، سارے کے سارے خنّاس موجودہ اسلامی برادری کی جھولی میں آئے ہیں یا سادہ الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ گلے پڑے ہیں۔ مشرق وسطیٰ کی سیاست کو ہی لے لیجیے، ایسا لگتا ہے جیسے اسرائیل سے رشتہ جوڑنے کا مقابلہ ہو رہا ہے، ایک ابھی گھٹنے ٹیک کر کھڑا بھی نہیں ہوتا کہ دوسرا سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ مشرق وسطیٰ سے لے کر ایشیا تک کی اکثر مسلم اشرافیہ سیاسی طور پر امریکی یا برطانوی سامراجیت کی پروردہ اور اسلام بیزار یا کم از کم پورٹیبل اسلام پر یقین رکھنے والی ہے، انڈیا میں مسلم سیاست کے نام پر بدترین خائن افراد ملت فروشی میں مصروف ہیں، ان کا لبادہ مختلف ہو سکتا ہے مثلاً کوئی صوفی کوئی جمیعتی، البتہ ذات پروری، مفاد پرستی اور ملت فراموشی میں سب برابر کے حصے دار ہیں۔ دین کے نام پر پاکستان بن تو گیا مگر اس تقسیم کی لاج صرف عوام نے رکھی ہے ورنہ وہاں کی نوّے فیصد سیاسی اشرافیہ مغرب کے وفادار اور نظام مصطفیٰ کے غدار افراد پر مشتمل ہے۔ مذکورہ معیار پر سعد حریری سے لے کر عبد الفتاح سیسی اور محمود مدنی سے لے کر غلام رسول

بلیلاوی تک پورے عالم اسلام کی سیاسی اشرافیہ کا کردار پرکھا جاسکتا ہے۔ ان چند مثالوں کے بعد اختصار کے پیشِ نظر باقی اسلامی دنیا کی سیاسی اشرافیہ کا تجزیہ ہم قارئین کے ذمے چھوڑتے ہیں۔

معاشی اشرافیہ

معاشی اشرافیہ یعنی کہ امت کے سرمایہ دار طبقے کا جائزہ لیجیے تو معلوم ہوگا کہ سیاسی اشرافیہ کی طرح ان سرمایہ داروں کا بھی دین وملت سے اتنا ہی تعلق ہے جتنا کہ ایک کلَب ڈانسر مغنّیہ کا مسجد سے ہوا کرتا ہے۔ مفلس انسان اپنی بھوک سے عاجز آکر مجبوراً شراب پیتا ہے جب کہ سیٹھوں کی آوارہ اولاد پیٹ بھر جانے کے بعد تکلّفاً شراب نوشی کرتی ہے۔ اپنے آپ کو حرمَین کا خادم کہنے والے فضول خرچی کی اُس سطح پر پہنچے ہوئے ہیں کہ شیطان بھی ان کی اخوّت پر عار محسوس کرتا ہوگا۔ عربوں کے یہاں سیّال سونا نکلتے ہی عیاشی نے ڈیرے ڈال دیے اور فکرِ امت نے رخت سفر باندھ لیا، اب یہ فکر جنوبی ایشیا کے متوسط ونادار طبقے کے ذہنوں میں تو بھٹکتی ہے مگر عرب کے دولت کدوں میں اسے پیر رکھنے تک کی اجازت نہیں۔ کفر دوستی اور یہودیت نوازی نے معاشی اشرافیہ کی رہی سہی غیرت کا بھی جنازہ نکال دیا ہے، اب دُبئی میں امت کے مسائل کا حل کم اور جنسی خواہشات کی تکمیل زیادہ ہوتی ہے۔ عرب کے اکثر بڑے تاجروں کی دولت امت کے لیے سراب اور سوِیس بنک کے لیے سونے کے سیلاب کی مانند ہے۔ برصغیر کی معاشی اشرافیہ میں بڑی تعداد ان کی ہے جو امت کی فکر تو دور کی بات ہے مذہب کے ابجد سے بھی واقف نہیں۔ دین سے واقف سرمایہ داروں کا حال یہ ہے کہ رسم ورواج اور نام ونمود کے لیے ثانوی درجے کے زائد امور میں حقیر سی رقم خرچ کرکے اپنے آپ کو حاتم طائی کا پرتو سمجھتے ہیں۔ ایسے میں اسلامی لٹریچر کے بڑے مراکز کی تعمیر، عظیم الشان مدارس کے ذریعے مغربی نظام تعلیم کا مقابلہ، سودی معیشت کے بالمقابل غیر سودی بنکوں کا قیام اور غیر مسلم دنیا تک حقیقی اسلامی تعلیمات پہنچانے کے لیے جدید

ذرائع ابلاغ کی فراہمی کی امید موجودہ معاشی اشرافیہ سے لگانا ایسے ہی ہے جیسے ڈونلڈ ٹرمپ سے فلسطین کی بازیافت کے لیے مدد مانگنا۔

مذہبی اشرافیہ

طبقہ اشرافیہ میں تیسرا بااثر گروہ مذہبی نمائندوں کا ہے، مذہبی اشرافیہ کا دائرہ چھوٹی سی مسجد کی امامت سے لے کر عالیشان خانقاہ کی سجادگی تک اور مصر کی ازہری فضاؤں سے لے کر سعودی کی شاہی وزارتوں تک، پھیلا ہوا ہے۔ مذہبی اشرافیہ کی حالت بھی فی زمانہ کچھ زیادہ بہتر نہیں ہے، موجودہ مذہبی اشرافیہ میں نیم ملّا محفل کی جان ہے، جاہل صوفی خانقاہ کی پہچان ہے، بڑے ادارے اپنے متعلقین کی کج فکری سے حیران و پریشان ہیں اور سعودی وزارتوں کے مالک بدکردار شہزادوں کے زیرِ فرمان ہیں۔ برصغیر میں آدھی مولویت اس بات پر دست و گریباں ہے کہ آزاد، اجمل خان اور سر سید ہمارے مذہبی پیشوا ہیں یا امام احمد رضا، سید سلیمان اشرف بہاری اور محدث سورتی ہمارے مقتدا ہیں۔ جو مذہبی اشرافیہ سو سال میں ماضی کی قیادت کے بارے میں حتمی فیصلہ کرنے میں ناکام ہے اس سے مستقل کے حوالے سے قوم کا لائحہ عمل طے کرنے کی امید رکھنا کھلی آنکھوں کا خواب نہیں تو اور کیا ہے، عرب دنیا میں مذہبی اشرافیہ اتنی آگے نکل چکی ہے کہ آدھی مذہبی اشرافیہ کا حلیہ مغربی بود و باش کی عکاسی کرتا ہے۔ سعودی وزارتوں پر گامزن مذہبی اشرافیہ کے پاس "کلمۃ الحق عند سلطان جائر" کی توفیق تو پہلے ہی سے نہیں تھی مگر اب تو باقاعدہ شہزادوں کی خوش نودی کی خاطر "اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ" جیسی قطعی نصوص کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فی الحال جس طبقے میں وعظ و نصیحت کی سب سے زیادہ ضرورت اور اصلاحات کے نفاذ کی شدید حاجت ہے، وہ اشرافیہ کا طبقہ ہے۔ ایک طرف اشرافیہ کی فکری و اخلاقی پسماندگی کا یہ حال ہے اور دوسری طرف صاحبانِ منبر و محراب بلکہ امامِ مسجد کہے جانے پر منہ چڑھانے والے اصحابِ اسٹیج و

کانفرنس اور اہلِ خانقاہ بھی، ہمہ وقت اپنی اصلاحی توپوں کا منہ متوسط و نادار طبقے کی طرف کیے ہوئے ہیں اور اشرافیہ کی مغرب زدگی سے بے نیاز ہو کر بے چاری عوام کو نظامِ عبادت سے قریب کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، یعنی ساری اسلامی مراعات اشرافیہ کی جھولی میں ڈال دیجیے اور باقی ساری قوم کو اعمال صالحہ کی طرف دھکیل لائیے۔ بقول اقبال ؎ مُریدِ سادہ تو رو رو کے ہو گیا تائب خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق

اخیر میں اگر اس سنگین مسئلہ کے حل کی بات کریں تو ایسے حالات میں مجموعی طور پر آپ کے پاس دو ہی راستے ہیں، یا تو اشرافیہ کی اصلاح کا بیڑا اٹھائیے یا اشرافیہ کو تبدیل کرنے والا انقلاب برپا کیجیے۔ عوامی کمزوریوں اور ان کے غیر شعوری رویّوں سے انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر سچ یہ ہے کہ جب اشرافیہ باشعور اور دور اندیش نہ ہو تو عوام کی بے داری اور شعور کا رونا رونا ایک فضول سی بات ہے۔ اگر آپ نے مسلم کہلانے والے پارلیمنٹ کے ممبر، علاقے کے سیاست دان، خانقاہ کے پیر، اسٹیج کے مولوی اور سماج کے سرمایہ دار کو مسلمان کر لیا تو قوم خود بخود مسلمان ہو جائے گی اور اسلام بے شک و شبہ غالب ہو جائے گا۔ شیخ عبد القادر جیلانی اور شیخ مجدد الف ثانی رحمہما اللہ کی اصلاحی تحریکوں کی کامیابی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ان دونوں ہستیوں نے اپنے دور کی اشرافیہ کا بھرپور تعاقب کیا، اسلام بیزار حکمران ہوں، علمائے سوء ہوں یا صوفیائے خام، جو بھی بااثر اور بااختیار ہونے کے باوجود اپنی ذمہ داریوں سے غافل تھے، اشرافیہ کے ان تمام گروہوں کو نہ صرف یہ کہ حق کا تعارف اور حقیقی اسلام کی پہچان کرائی بلکہ ان کو امت کی خیر خواہی اور اس کی صلاح و فلاح کے لیے صحیح طریقے اپنانے اور درست اقدامات کرنے پر مجبور بھی کیا۔ آج کے حالات میں بھی اسلاف کا یہی کردار ہمارے لیے مشعل راہ اور حوصلے کا سبب ہے۔

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا.

ترجمہ: اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس کے خوشحال لوگوں کو احکام بھیجتے ہیں پھر وہ اس بستی

میں نافرمانی کرتے ہیں تو اس بستی پر بات پوری ہو جاتی ہے تو ہم اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔ (بنی اسرآئیل:۱۶)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک جھوٹی حکایت

مولانا اسد الرحمن چشتی لکھتے ہیں: سیدنا امام حسن و حسین اور سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کھیل رہے تھے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ہمارے غلام کے بیٹے!۔۔۔ ان الفاظ کی وجہ سے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رنجیدہ ہوئے تو اپنے والد محترم کی بارگاہ میں بطورِ شکایت عرض کی کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے مجھے غلام کا بیٹا کہا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: امام حسین رضی اللہ عنہ سے یہ بات لکھوا کر لے آؤ تا کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو اس کاغذ کو میرے کفن میں رکھ دینا۔ اس روایت کو کئی خطباء نے بیان کیا ہے جبکہ اس کا کوئی بھی مستند حوالہ موجود نہیں ہے۔

جھوٹی روایت میں اگرچہ کتنی ہی محبت کا درس کیوں نہ ہو لیکن ہے تو من گھڑت۔ اس لیے علمائے کرام و خطباے عظام کا حق بنتا ہے کہ مستند روایات ہی عوام الناس تک پہنچائیں۔

یہ واقعہ اہل تشیع کی کتاب "چودہ ستارے" از نجم الحسن کراروی کے صفحہ 226 پر موجود ہے۔۔۔ اس واقعہ کا کوئی مستند حوالہ ملے تو ضرور راہنمائی کی جائے تا کہ اپنی اصلاح ممکن ہو۔ (✍ اسد الرحمٰن ٭٭٭ ۵ جنوری ۲۰۲۰ء)

تعلیق:

علامہ نثار مصباحی لکھتے ہیں: حدیثِ صحیح سے ثابت ہے کہ جنگِ بدر کے موقعے پر سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما ۱۴ سال کے تھے۔ اور اسی وجہ سے جنگ میں شرکت کی انھیں اجازت نہیں ملی۔ اگلے سال جب ۱۵ سال کے ہو گئے تب جنگِ اُحد میں آپ شریک ہوئے۔ ۳ھ میں جنگِ احد ہوئی۔ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ ۳ھ میں اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت یعنی ۴ھ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما کی عمر ۱۶ سال تھی۔ ظاہر ہے امام حسین کی جب کھیلنے کی عمر ہوئی ہو گی تب تک سیدنا عبد اللہ بن عمر ۱۹-۲۰ سال کے جوان مجاہد ہو چکے تھے۔

عمر کے اس تفاوت کے بعد یہ کہنا کہ دونوں ایک ساتھ کھیل رہے تھے، یہ کہنا ہی غیر معقول ہے۔ اور یہ تفصیل اس فرضی واقعے کی بنیاد ڈھا دینے کے لیے کافی ہے۔ (✍ علامہ نثار مصباحی ٭٭٭ ۳۰ جنوری ۲۰۲۱ء)

حُسنُ الفِهمِ والتَّعَقُّل کی تلخیص و تسہیل

(✍ مولانا ابو محمد عارفین القادری)

یہ مبارک رسالہ مذہبِ حنفی کے ایک ماہر فقیہ عبد الواحد بن دین محمد سیوستانی (موجودہ سیہون – م 1224ھ) قدس سرہ الربانی کا تحریر کردہ ہے جس میں آپ نے کسب (رزقِ حلال کمانا) اور توکل کے درمیان نفیس بحث فرمائی ہے۔

طالبانِ علم و عمل کے لئے اس رسالہ کا مطالعہ بہت مفید رہے گا، اِس میں چننے والے کے لئے کثیر مہکتے موتی ہیں۔ رسالہ عربی زبان میں ہے جو مشہور محقق و مدقق مفتی حق النبی سکندری ازہری حفظہ اللہ القوی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ "دارالضیاء– کویت" سے شائع ہو چکا ہے۔ اس رسالے میں آٹھ فصلیں اور ایک خاتمہ ہے۔

پہلی فصل: کسب کی اقسام اور اسکی فرضیت سے متعلق

فرض: رزقِ حلال کمانا بقدرِ کفایت فرض ہے جس کے ذریعے بندہ اپنی اور اپنے اہلِ خانہ کی کفالت کر سکے اور ساتھ ہی اپنے قرضوں کو ادا کر سکے۔

مستحب: اتنا زیادہ کمانا جس سے فقیروں غریبوں کی مدد اور رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کی جا سکے۔

مباح: اتنا زیادہ کمانا جس سے زیب و آرائش و دنیوی آسائش حاصل ہوں۔

حرام: لوگوں پر فخر و غرور کے ساتھ بڑائی حاصل کرنے کے لئے کمانا۔

طلبِ کسب فرض ہے یا کسب فرض ہے؟

فقہا کی بعض عبارات میں طلبِ کسب فرض لکھا ہے اور بعض میں کسب کو فرض لکھا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تطبیق دی کہ جسے رزقِ حلال کمانے کا طریقہ نہیں آتا اسے طریقہ سیکھنا فرض ہے اور جسے طریقہ آتا ہے اس پر کمانا فرض ہے۔

پھر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریر کا جواب بھی دیا ہے جو انہوں نے منہاج العابدین میں ذکر کی ہے کہ آیتِ جمعہ میں وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ (الجمعہ:۱۰) میں اللہ کے فضل سے مراد علم اور ثواب ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے آیتِ قرآنی اور مفسرین کے اقوال نقل فرمائے اور ثابت کیا کہ فضل سے مراد تجارت وکسبِ معاش ہے۔

نیز آپ نے فرمایا رزقِ حلال کمانا نفلی عبادت سے افضل ہے، اس لئے کہ رزقِ حلال کا فائدہ آپ کے ساتھ غیروں کو بھی ہوگا جب کہ نفلی عبادت کا فائدہ صرف آپ کی ذات کو ہوگا۔

دوسری فصل: کسب کی فرضیت سے متعلق احادیثِ مبارکہ

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فصل میں چار احادیثِ کریمہ ذکر فرمائی ہیں جس سے کسب کی فرضیت کو مزید موکد فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ ان نصوص کو ذہن نشین کر لیا جائے تو بعض زاہدین کے اس وہم کا ازالہ ہو جائے گا کہ کسب اور اسباب فرض نہیں ہیں۔

کیمیا طلبِ محال ہے نہ کہ طلبِ حلال

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے "کیمیا" سے متعلق ایک شبہ کا جواب ارشاد فرمایا ہے۔ بعض لوگوں کی طرف سے اشکال تھا کہ کیمیا کو حاصل کرنا طلبِ رزقِ حلال ہے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا "یہ طلبِ محال ہے نہ کہ طلبِ حلال" اس لئے کہ کیمیا کا وجود ثابت ہے جس سے کسی عالِم کو انکار نہیں ہے، لیکن نادر الوجود ہے، محض محنت و مشقت سے حاصل نہیں ہوتا لہٰذا اس کی طلب محالِ عادی ہے، طلبِ رزقِ حلال نہیں ہے۔

کیمیا اس ہنر / علم کو کہتے ہیں کہ جس کے ذریعے رانگ (سیسہ) کو چاندی اور تانبے کو سونا بنایا جاسکتا ہے، اللہ تعالی نے یہ علم سیدنا موسی علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام پر نازل فرمایا تھا اور ان سے منتقل ہوتا ہوا کچھ حصہ قارون تک پہنچا تھا جس کا اُس نے ناجائز فائدہ اٹھایا۔

علما کے نزدیک یہ علم سماوی وہبی ہے، حضرت موسی وخضر علیہما السلام کو تعلیم فرمایا گیا تھا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جس نے علمِ کیمیا کے ذریعے مال حاصل کیا وہ مفلس ہو جائے گا۔

تیسری فصل: افضل کسب سے متعلق

آپ نے اس فصل میں افضل کسب کے حوالے سے گفتگو کی ہے اور علمائے کرام کے حوالے سے مختلف شعبہ جات کی فضیلت ظاہر کی ہے۔ مثلا زراعت اور تجارت میں کون سا شعبہ افضل ہے، بعض علما نے زراعت کو افضل کہا ہے بعض نے تجارت کو۔

آپ نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بطور سلیپنگ پارٹنر (مضارب) انویسٹمنٹ کیا کرتے تھے اور خود کو عبادت و دینی کاموں میں مشغول رکھا کرتے تھے۔

اس سے اُن لوگوں کے وہم کا ازالہ ہو جاتا ہے جو عبادت کے لئے قلب وبدن کو کسبِ معاش سے آزاد ہونا ضروری قرار دیتے ہیں حالانکہ ائمہ دین عبادت کے ساتھ کسبِ معاش کی طرف توجہ دیا کرتے تھے۔

چوتھی فصل: کسب اور مُکاسب (رزقِ حلال کمانے والے) سے متعلق احادیثِ کریمہ

آپ نے اس فصل میں موضوع سے متعلق تیرہ (۱۳) احادیث بیان کی ہیں اور ان لوگوں کو رد فرمایا جو کہتے ہیں کہ رزقِ حلال کمانا محض مباح اور رخصت ہے یعنی اس میں کچھ خاص فضیلت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا اگر کسبِ حلال محض مباح ہوتا تو ایک مباح عمل کے لئے اتنے فضائل وارد نہیں ہوتے۔

پانچویں فصل: رزقِ حلال کمانا توکل کے خلاف نہیں ہے

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فصل میں فرمایا کہ توکل قلبی فعل ہے اور رزقِ حلال کمانا بدنی عمل ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں۔ اس پر کتبِ علما سے مزین دلائل دے کر ان لوگوں کا وہم مَحو فرمادیا جو بدنی جدوجہد کو توکل کے خلاف سمجھ بیٹھے تھے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالی نے قرآن مجید میں متوکلین کو محبوب فرمایا اور احادیث میں طالبِ رزق حلال کے لئے بھی محبوبیت کا بیان آیا، اگر یہ دونوں ایک دوسرے کے منافی ہوتے تو کبھی بھی دونوں کے لئے محبوبیتِ الٰہی کا بیان نہ آتا اس لئے کہ "محبوب کا مخالف مبغوض ہوتا ہے نہ کہ محبوب۔"

مزید فرمایا کہ متوکلین کے سردار انبیائے کرام، مرسلین عظام، صحابہ و تابعین و صوفیائے محققین کے حالاتِ زندگی پر غور کیا جائے تو یہ عظیم گروہ توکل کے اعلی درجے پر فائز ہونے کے باوجود کسبِ حلال میں بھی مشغول رہے ہیں۔ اس پر آپ نے کتبِ کثیرہ سے شواہد پیش کرتے ہوئے مذکورہ ذواتِ مقدسات کے کسبِ حلال کے پیشوں کا ذکر فرمایا۔

آخر میں امام نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ کے توکل سے متعلق ایک قول (اسباب و کسب سے خروج کرتے ہوئے کلیۃً اللہ تعالی پر اعتماد کرنا توکل ہے) کی بہت ہی دلکش تشریح اور توضیح فرمائی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ اور اس طرح کی دیگر مثالیں مبتدیوں کے لئے ہے تاکہ اس کی مشق سے توکل اُن کی طبیعت میں رچ بس جائے اور اسباب پر اعتماد ختم ہو جائے، جب اس پر ملکہ حاصل ہو جائے تو پھر اسباب ترک کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

چھٹی فصل: ان فارغ لوگوں کی مذمت میں جو توکل کا دعوی رکھتے ہیں

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فصل میں صحابہ کرام و اسلاف عظام رضی اللہ عنہم کے اقوال نقل فرمائے اور بتایا کہ اسباب کو ترک کر کے مسجدوں میں بیٹھ جانا اور رزقِ حلال کی امید رکھنا توکل نہیں ہے۔ اس فصل میں ان جاہل

فقیروں ملنگیوں کے لئے عمدہ نصیحت ہے جو کسبِ حلال کو ترک کر کے لوگوں سے امیدیں باندھ لیتے ہیں اور اسے توکل سمجھتے ہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے بہت اچھا جملہ رقم فرمایا: الکسب حلال والطمع في الخلق حرام.
یعنی رزقِ حلال کمانا حلال اور مخلوق کی طرف لالچی نگاہ رکھنا حرام ہے۔
مزید اس عنوان پر تفصیلی گفتگو کی ہے کہ قاری، معلم، مدرس اور وہ طالبِ علم جو طلبِ علم میں مشغول رہتے ہیں کسبِ حلال کی فرصت نہیں پاتے، ان سب کے لئے بیت المال سے حصہ مقرر کیا جائے گا، ان کا کسبِ حلال میں مشغول نہ ہونا کوئی عیب نہیں۔
نیز اگر بیت المال کا سلسلہ ختم ہو جائے تو متعلقہ شہر کے اغنیا پر واجب ہے کہ علما، اساتذہ، طالبانِ علم کے لئے مال و اسباب مہیا کریں۔

ساتویں فصل: توکل کی فرضیت سے متعلق

آپ نے اس فصل میں توکل کی فرضیت کے دلائل بیان فرمائے ہیں۔ توکل اللہ تعالی پر اعتماد کا نام ہے جو مسلمانوں پر فرائض میں سے ایک فرض ہے۔

آٹھویں فصل: توکل سے متعلق احادیثِ مبارکہ

آپ نے اس فصل میں توکل سے متعلق احادیثِ مبارکہ بیان کی ہیں۔
آپ نے فرمایا کہ اسباب و توسط کے بغیر اللہ تعالی کی جانب سے رزق مل جانا بطور کرامت ہی ممکن ہے جیسے سیدتنا مریم علیہ السلام کو اس نعمت سے مشرف فرمایا۔ اور صوفیائے کرام علیہم الرحمۃ اس قسم کے جو واقعات منقول ہیں وہ بطور کرامات ہیں جو اُن کے

خاتمہ

آپ نے کتاب کا خاتمہ توکل کے ثمرات اور اس کی برکات پر کیا ہے۔ رضائے الٰہی، قناعت، سخاوت اسکے ثمرات سے ہیں مگر اسی پر بس نہیں ہے، آپ فرماتے ہیں:أن التوكل شجرة طيبة، ثمراتها أكثر و أطيب.یعنی توکل ایک پاکیزہ درخت ہے جس کے ثمرات بہت زیادہ اور انتہائی پاکیزہ ہیں۔

خوش طبعی (مزاح)، بہت پیاری عادت ہے

اس کے پیارا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ کائنات کی سب سے پیاری ہستی کے مزاج میں بھی خوش طبعی تھی۔

سیدنا عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں:

ما رأيت أحدا أكثر مزاحا من رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا أكثر تبسما من. میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو خوش مزاج اور مُتَبَسِّم نہیں دیکھا۔

(الانوار فی شمائل النبی المختار، ت محی السنۃ بغوی رحمہ اللہ، باب فی سرورہ وضحکہ ومزاحہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم، ص247، ر301، ط دار المکتبی سوریۃ دمشق، س1416ھ)

مزاحیہ طبیعت رکھنے والا انسان منکسر المزاج ہوتا ہے، اور تکبر سے محفوظ رہتا ہے۔

مولا علی پاک فرماتے تھے: جس آدمی میں خوش طبعی کی خصلت ہو وہ تکبر سے بچ جاتا ہے۔

(فلسفہ عقل وحماقت، بحوالہ: الظراف والمتماجنین لابن جوزی رحمہ اللہ، ص53، ط کرماں والا بک شاپ لاہور، س2007ء)

اس لیے کبھی کبھی مزاح بھی کرنا چاہیے، اور ایسا مزاح قبول بھی کرنا چاہیے جو خلافِ شرع نہ ہو۔

بعض لوگ خشکی کی حد تک سنجیدہ ہو جاتے ہیں۔۔۔جو کہ بالکل اچھی عادت نہیں؛ اس عادت سے جتنا جلدی ہو سکے جان چھڑا لینی چاہیے۔

المزاح فی الکلام کالملح فی الطعام. گفتگو میں مزاح ایسے مزہ دیتا ہے، جیسے کھانے میں نمک مزے دار ہوتا ہے۔

کھانے میں بیسیوں مصالحے ڈال لیں، ایک نمک نہ ہو تو کچھ مزہ نہیں آتا۔۔۔۔۔۔۔۔بندہ جتنا مرضی فصیح وبلیغ اور عالم فاضل ہو، اگر اس میں حسِ مزاح نہیں تو وہ رُوکھا ہے۔ (✍ علامہ لقمان شاہد ** ۵ جنوری ۲۰۲۱ء)

مدرسہ کی روٹی اور بقائے تہذیبِ اسلامی

(✍ مفتی عبید الرحمن شاہجہانپوری)

(مدرسہ کی روٹی مغربی سرمایہ دارانہ تہذیب کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ۔۔۔ مولوی تہذیب اسلامی کا "منصب" ہے سرمایہ دارانہ نظام کا "طبقہ" نہیں۔۔۔ مولوی و مدرسہ کی کرامت کہ دینی اخلاقیات کا سرمایہ دارانہ اخلاقیات سے اختلاط نہ ہوسکا۔۔۔ مولوی و مدرسہ کی روٹی مادہ پرستی کے اس تعفن زدہ ماحول میں عملاً "برہانِ زہد" ہے۔۔!!)

تاثر خانۂ افرنگ

تہذیبِ مغرب نے اپنے مخصوص سرمایہ دارانہ تصورِ علم و معاش کے تناظر میں اپنے مہ خانہ افرنگ کی جو سوغات مسلم سماج میں متعارف کرائی ہیں ان میں سرفہرست یہ حقارت آمیز تاثرِ افرنگ ہے کہ "مولوی مدرسہ کی روٹی کھاتا ہے۔۔!" ایسے میں ناقدین کا مطالبہ یہ ہے کہ مولوی اپنی تہذیبی بنیاد پرستی کو ترک کرکے افادیت پرستی (Utilitarianism) کو اختیار کرے، اپنے تئیں تقدیر پر تدبیر کو ترجیح دے اور یوں سرمایہ دارانہ اقدار کے شانہ بشانہ مستقبل پرست (Futuristic) ہونے کے لئے مفاد و موقع پرستی (Opportunism) کی سرمایہ دارانہ فکری نفسیات کو قبول کرے۔

محلاتِ فرعون میں بیٹھ کر علماء پر تبراء

لیکن نرگسیت و خود شیفتگی میں مبتلا ان اربابِ مہ خانہ سے کوئی سوال کرے کہ آپ حضرات نے زندگی بھر جو عالمی سرمایہ دارانہ نظام کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کی آلہ کاری (نوکری) میں گزاری ہے، جن کا اول دن سے سیاسی و

معاشی ایجنڈا ہی یہ ہے کہ مسلم سماج کے عارفانہ معاشروں کو صارفانہ معاشروں (Consumer society) میں ڈھالا جائے، سرمایہ دارانہ نظام کے اس بیانیہ کی بنیادوں کو اپنے خون پسینہ سے سینچ کر اور پورے کے پورے سماج کو سرمایہ کا غلام (Corporate slaves) بنانے کے بعد آپ کی حقارت سے لبریز اس تنقید کی کیا اخلاقی، تہذیبی اور مذہبی حیثیت رہ جاتی ہے؟! آپ اپنے تئیں سماج میں وائٹ کالر ہوں گے اور اپنے دفتر میں سی ای او (CEO) یا مینیجر، لیکن اربابِ اصول و تہذیب کی نگاہِ وفا میں آپ کی حیثیت طاغوتی نظام میں فقط اولیاء الطاغوت کی ہے۔

مولوی سے محبت نہیں بلکہ تہذیبِ مغرب سے مرعوبیت

جدت پسندوں کا یہی وہ طبقہ ہے جو مولوی سے اس لئے بھی نالاں ہے کہ مولوی مغربی مادہ پرستانہ "فنون" کو "علم" قرار نہیں دیتا۔ لیکن مدرسہ کے مولوی کو مخاطب بنانے کے بجائے کبھی کالج و یونیورسٹی کا بھی رخ کر کے یہ صدا دی جائے کہ اے اقوام افرنگ! تم اپنے تصور علم کی تحصیل و کسب کو سرمایہ و پیسے سے کیوں مشروط کرتے ہو؟! اس قدر کی اگر ہمت نہ ہو تو کم سے کم یہ کہہ دیا جائے کہ دنیا کی تمام یونیورسٹیوں میں اسلامک فیکلٹی میں فیس نہ لی جائے کہ تدریسِ علومِ شرعیہ پر پیسے لینا ناجائز ہے! لیکن یہ سوال نہ کبھی کیا جاتا ہے اور نہ کیا جائے گا کیونکہ غلامانہ نفسیات کا تنقیدی رویہ و منہج، اصولی و اخلاقی نہیں بلکہ غالب تہذیب سے مرعوبیت، تو مغلوب تہذیب سے حقارت کے نتیجے میں تشکیل پاتا ہے۔ اس لیے کالج و یونیورسٹی کے اساتذہ سے تو سوال نہیں کیا جاتا جہاں بھاری بھرکم فیسز لی جاتی ہیں! لیکن مدارس جہاں سرے سے طالبانِ علم و رشد سے فیس ہی نہیں لی جاتی بلکہ معاونین مدارس کی مدد سے مدرسہ انتظامیہ بقدر ضرورت اساتذہ کو رزق کفاف مہیا کرتی ہے، اس مدرسہ و مولوی کو موردِ الزام و حقارت بنا دیا جاتا ہے۔

امورِ دینیہ پر معاوضہ کی شرعی حیثیت

شرعی مؤقف اس باب میں یہ ہے کہ فی نفسہ تبلیغِ دین پر اجرت لینا درست نہیں ہے البتہ تدریس دین پر جواز کا قول ہے اور یہ عین معقول ہے کیوں کہ علمِ دین کلی فراغت کو چاہتا ہے، ایسے میں علمائے ملت کی معاشی کفایت، یہ خلافت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے۔ جبھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں ان علماء کے معاوضے مقرر فرمائے جو تدریس میں مصروف تھے۔ (کتاب الاموال لابی عبید قام بن سلام، صفحہ:۳۴۲)

نیز اس باب میں سرورِ کونین رسالت مآب ﷺ کی درج ذیل حدیث ہی کافی ہے:

ان احق ما اخذتم عليه اجرا كتاب الله-

"تم جس پر اجرت لیتے ہو ان میں سب سے زیادہ مستحق کتاب اللہ ہے۔" (صحیح بخاری، رقم:۵۷۳۷)

تاہم یہ جواز کا قول ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے ہے نہ کہ مادہ پرستانہ معیار زندگی کو بڑھانے کے لیے جیسا کہ بعض مغرب زدہ، رخصت پرست علماءِ سلاطین کی روش ہے۔

امام حامد مرزاخان الفرغانی النمنکانی الحنفی قُدِّسَ سِرُّہُ (المتوفی:۱۳۹۳ھ) تصریح فرماتے ہیں:

لا أن يشتري بالدين السيارة وان يبني القصور ويجمع حطام الدنيا

"یہ مراد ہر گز نہیں کہ دین کے نام پر اعلی شان گاڑیاں خریدی جائیں، عمارتیں و بنگلے بنائے جائیں اور دنیا کا دھندہ کیا جائے۔۔۔!" (المسائل التسع، صفحہ:۴۶)

تغیرِ اقدار بذریعہ معیار، مغربی استعمار کا فارمولہ

مغربی استعمار عالم اسلام میں اس وقت جس سرمایہ دارانہ ریاست و اقدار کو عام کر رہا ہے، اس کا منہج "معیار زندگی" (Standard of living) میں بڑھوتی کر کے "اقدار زندگی" (Values) کو تبدیل کر دینا ہے کیونکہ مادہ پرستانہ معیار زندگی میں بڑھوتی سرمایہ و معاش کے مخصوص تصور ہی سے مشروط ہے یوں جہاں بھی یہ جدید

تصور معیار در آئے گا، اقدار تہذیب وروایت خود بخود متغیر ہو جائیں گیں۔ جبھی مغربی مفکرینِ تہذیب زہد وفقر کو سرمایہ کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ مشہور امریکی معیشت داں والٹ رسٹو (Walt Rostow) کی تصریح ملاحظہ ہو:

According to Rostow the traditional cultural values and social institutions " of low income countries impede their economic effectiveness!"

"روسٹو کی تحقیق کے مطابق کم آمدنی والے ممالک کی تہذیبی و ثقافتی، اقدار و روایات اور ان کی تہذیبی صف بندی (مثلاً مسجد، مدرسہ، خانقاہ) ان کی معاشی ترقی واس کی بڑھوتی میں حائل ہیں۔"

(Sociology, Anthony Gidden, Pg : 549)

تہذیبِ تسنن کے امام شاہ احمد رضا خاں قدس سرہ کی تہذیب شناسائی

تہذیبِ افرنگ کے اس مخصوص زاویۂ نظر کو یعنی تبدیلی اقدار بذریعہ معیار کو اہل تہذیب و روایت بہت پہلے بھانپ چکے تھے۔ چنانچہ صاحب فتاویٰ رضویہ سیدی اعلیٰ حضرت نور اللہ مرقدہ شریف تصریح فرماتے ہیں:

"اب تو ریل بھی آگبوٹ بھی ہے، تار بھی ہے، اخبار بھی ہیں، ڈاک کے سلسلے بھی منظم ہیں، مہینوں کی راہیں دنوں میں طے ہوتی ہیں، گھر بیٹھے اقطار و امصار کی جھوٹی سچی خبریں ملتی ہیں، مدت ہا مدت سے جغرافیہ کے عظیم اہتمام ہیں، کروڑوں روپے کے صرف سے مشرق و مغرب کی پیمائش ہوتی ہے، بلاد وبقاع کے طول و عرض جانچے جاتے ہیں، آئے دن تازہ تازہ اطلس بنتی رہتی ہے، غرض جس قدر دین کا انحطاط و تنزل ہے اسی قدر دنیوی ترقیاں ہیں جسے دنیا پرست عبید النفیس ترقی ترقی گا رہے ہیں۔ زمانۂ مشائخ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں ان آسانیوں سے ایک بھی نہ تھی۔" (فتاویٰ رضویہ، مطبوعۃ جامعۃ نظامیۃ لاھور ۵۹۴/۱۹)

مدرسہ کی روٹی تہذیبِ افرنگ سے مزاحمت کی نمایاں ترین علامت

مولوی بھی اگر سماج کے دیگر لوگوں کی طرح سرمایہ دارانہ معیار زندگی کو خوابوں میں بساتے ہوئے اقدار زندگی پر مفاہمت کر لیتا تو یقیناً تہذیب اسلامی بڑے زوال کا شکار ہو جاتی، تاہم تہذیبِ مغرب کے اس قدر تہذیبی، سیاسی، معاشی جبر کے باوجود مولوی اپنے تہذیبی مورچے سے پسپا نہیں ہوا، الحمدللہ! مولوی کے اس تہذیبی تصلب و استقامت نے امت کی دینی اقدار و تہذیبی ساخت کا تحفظ کس طرح کیا اور کن بڑے فکری و اخلاقی انحرافات سے امت کو اپنے دامنِ تقدیس و فقر میں تحفظ دیا، یہاں بعض ملاحظہ ہوں:

(اولاً) مولوی اس دور میں عملاً "برہان زہد" ہے۔ چنانچہ عصر جدید میں اگر کوئی شخص عملی تناظر میں دیکھنا چاہے کہ کم آمدنی میں کس طرح طمانیت، فرحت، عزت، غیرت، قناعت کے ساتھ زندگی گزاری جاسکتی ہے تو اس تہذیبی مولوی کو دیکھ لے اور سنن زہد پر عین الیقین حاصل کر لے! مدرسہ کی روٹی کا اگر یہ ایک احسان ہی سمجھ میں آجائے تو حقانیت تہذیب اسلامی بخوبی واضح ہو جاتی ہے۔

(ثانیاً) مولوی اگر سرمایہ دارانہ نظام کی ادارتی صف بندی میں ضم ہو چکا ہوتا تو مسلم سماج میں تہذیبی و دینی اخلاقیات کی جگہ سرمایہ دارانہ مغربی اخلاقیات (Business Ethics) کا تعفن معاشرے میں پھیل چکا ہوتا، جیسا کہ مغرب میں عیسائیت نے سرمایہ دارانہ نظام سے مفاہمت اختیار کی تو کیتھولک (catholic) فرقہ نے مذہبی لبادہ میں یہ سرمایہ دارانہ بیانیہ عام کیا کہ جو شخص دنیا میں غریب ہو گا روز محشر غریب لایا جائے گا اور ادھر امیر لوگ شان امیری کے ساتھ میدان محشر میں پیش کیے جائیں گے (مارٹن لوتھر)۔ اس لئے مولوی کے رزق کفاف نے مسلم سماج کی اقدار کو تحفظ دیا ورنہ مغربی سرمایہ دارانہ اقدار ہمارے سماج کو کب کا فتح کر چکی ہوتیں اور یوں فرد کا فرد سے تعلق کی بنیاد فقط افادیت پرستی و سرمایہ پرستی قرار پاتیں اور فطرت دینی، عبدیت اور رشتوں کی تقدیس و فرق مراتب کی بنیاد پر تعاشر "بے معنی" ہو چکا ہوتا۔

(ثالثاً) گذشتہ سال اسٹیٹ بینک (State Bank of Pakistan) کی رپورٹ کے مطابق پاکستان کی اسّی (٪ ۸۰) فیصد معیشت اب بھی غیر سودی ہے، اس لئے کہ پاکستان میں دیہی علاقوں کی اکثریت ہے جہاں کی اکثریت گاؤں کے مولوی صاحب کی تبلیغ کے سبب بینک کی آب وہوا سے نفور برتتی ہے، الحمدللہ۔ ایسے میں اگر مولوی سرمایہ کی غلامی قبول کر چکا ہوتا تو آج سودی نظام مسلم سماج پر مطلقاً غلبہ پاچکا ہوتا، فتدبر۔

(رابعاً) آج مدارسِ دینیہ میں طالبان علم ورشد کو مفت تعلیم دی جاتی ہے، کتابیں بھی مدرسہ ہی اپنی لائبریری سے دیتا ہے اور تو اور رہائش وطعام تک مفت ہے! ایسے میں کہنے دیجیے کہ مولوی نے علم کو ذریعہ کاروبار نہیں بنایا اور اس کے ذریعے اپنا مادہ پرستانہ معیار زندگی نہیں بلند کیا! جب کہ ادھر مغربی علوم جاہلیہ تو ایک طرف خود کالج یونیورسٹیوں میں اسلامیات پڑھانے والے پروفیسر حضرات اسی ہزار سے دولاکھ روپے تک مہینہ لے رہے ہیں، غریب طالب علم بھاری فیسیں دینے پر مجبور ہے۔ لیکن ادھر مولوی نے مغربی یونیورسٹیوں کے معیار و منہج یعنی "تحصیل سرمایہ برائے سرمایہ" (Accumulation for the sake of accumulation) کی اساس کو رد کر کے اور طالبِ علموں سے ایک روپیہ لئے بغیر وقار، روحانیت، تقدیس علم کو باقی رکھا ہے جبکہ کالج و یونیورسٹیوں نے اپنے تصور علم کو پروڈکٹ کے طور پر فروخت کیا ہے۔

(خامساً) مولوی سرمایہ دارانہ نظام کی راہ میں تہذیبِ اسلامی کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے! چناں چہ سرمایہ دارانہ ریاست کی بھرپور کوشش ہے کہ مولوی و مدرسہ "منصب" نہیں بلکہ "طبقہ" قرار پائے اور نظام میں ضم ہو جائے، جیسا کہ مصر وسعودیہ کے علماء سلاطین ضم ہو گئے۔ یہاں تک کہ مولوی بھی سرمایہ کی اس دوڑ میں عوام کالانعام کی طرح مگن ہو جائے، اپنے تہذیبی مؤقف و منصب کو بھول جائے اور نظام باطل کے خلاف مزاحمت کرنے کے بجائے اس کی پُرامن چاکری میں مشغول ہو جائے! تاہم مولوی نے سرمایہ دارانہ نظام کا "طبقہ" بننے سے انکار کر دیا اور تہذیبِ اسلامی کے عطا کردہ "منصب" پر فخر کیا۔ ایسے میں سرمایہ دارانہ نظام کے لئے سب

سے بڑا چیلنج ہی یہ ہے کہ اس کے حدود اربعہ میں اس کے طبقاتی نظام سے انکار کر کے کوئی عین اس کے تختِ شاہی کے سامنے اپنی تقدیس و حاکمیتِ منصب کی مسند لگائے! یہ اس لیے کہ اس کے نتیجے میں سرمایہ کا ارتکاز و اجتماع منتشر ہو جاتا ہے اور سماج میں بیک وقت دو متوازی دائرہ حاکمیت قائم ہو جاتے ہیں۔

مولوی مغربی سرمایہ دارانہ نظام کا باغی

آج جب تمام لبرل طاقتوں کی کوشش ہے کہ مولوی بینک کا ایڈوائزر، یونیورسٹی کا پروفیسر، پارلیمنٹ کا میمبر بن کر سرمایہ دارانہ نظام کی صف بندی کو سندِ جواز عطا کرے اور یوں مذہبی زہد، سرمایہ کا حریف نہ قرار پائے بلکہ دیگر طبقات (مثلاً بیوروکریسی، اقلیاتی طبقات وغیرہ) کی طرح محض طبقہ قرار پائے! مزید یہ کہ جب پورا سماج سرمایہ دارانہ نظام کی غلامی میں غرق ہو چکا تھا، عین اسی وقت میں مولوی اپنی تہذیبی اقدار پر قائم ہے! اس نے مدرسے کی ٹوٹی ہوئی چٹائی اور دال روٹی کو اپنا فخر جانا! غربت کو سینہ سے لگایا لیکن تہذیبی اقدار پر سودا نہیں کیا، یوں تہذیبِ اسلامی کی حسن سادگی و زہد کا اسیر ہو کر نہ جادہ بدلا نہ دروازہ بدلا نہ ارادہ بدلا اور آج تک اپنے اسی طرز کہن پر ڈٹا ہوا ہے! آج جب پورا عالم کفر مولوی سے مذاکرات کرنے پر مجبور و مقہور ہے اور کہہ رہا ہے کہ ہم تمھیں کچھ نہیں کہتے تم ہمارا فقط ہر دل عزیز ''طبقہ'' بن جاؤ! مغربی سرمایہ دارانہ نظام کے اس گلیمر (Glamour) کو دیکھ کر بھی مولوی برملا اعلان کر رہا ہے کہ وہ ''طبقہ'' نہیں ''منصب'' ہے یعنی ''تابع'' نہیں ''امام'' ہے! وہ امام جسے ابھی اپنے تہذیبی بیانیے کے تناظر میں امامت صغریٰ سے لے کر امامت کبریٰ تک سفر طے کرنا ہے! ایسے میں آج بھی اس کا تہذیبِ افرنگ کے خلاف یہی اعلان بغاوت و اعلان براءت ہے کہ۔۔۔

اے عہدِ سلف اُٹھ دیکھ تیرے دشمن پر قہر بن کر پڑا ہوں
تنہاء ہوں تیرے بن پھر بھی عقیدہ و تہذیب پر کھڑا ہوں